اپریل ۱۹۶۳

ماہنامہ

حیات نو

ANJUMAN TALBA-E-QADEEM

انجمن طلبۂ قدیم

جامعۃ الفلاح بلریا گنج - اعظم گڑھ (یوپی) الہند

BILARIAGANJ - AZAMGARH (U.P.) INDIA

محمد طاہر، ایم اے
[illegible]

سقوطِ بیت المقدس

کس کا دل ایسے میں ہوگا خوش بیانی کیلئے
اشک آنکھوں میں مچلتے ہیں روانی کے لئے

آہ سینا کے مجاہد آہ وہ مصری جواں
ہوگئے ہیں جاں بحق مجبور پانی کے لئے

آہ اردن کی دلیر افواج جن کا ہر جری
تھا نہ تنہا گراں فوجِ ڈیانی[1] کے لئے

روس و امریکہ کی سازش سے ہوئیں نذرِ فنا
آج ہم روتے ہیں اس نقصانِ جانی کے لئے

شام کے شیروں نے بھی مکر و دغا کے تیر سے
زخم کھائے ہیں جگر پر خوں فشانی کے لئے

اور سب سے بڑھ کے وہ پیاری مقدس سرزمیں
مسجدِ اقصیٰ ہے جس میں سجدہ رانی کے لئے

آہ وہ مسجد جہاں سے رحمۃ للعالمیں
لے گئے تشریف سیرِ آسمانی کے لئے

کنجیاں لینے کو جس کی حضرت فاروق بھی
جس کے پھاٹک تک گئے تھے ساربانی کے لئے

ہم سے چھن کر پہنچی اب قبضہ میں ایسی قوم کے
جو ترستی تھی ابھی تک حکمرانی کے لئے

ذلت و مسکینیت جس پر مسلط تھی کبھی
آج وہ تیار ہے ہر قہرمانی کے لئے

گونجتے تھے نعرۂ تکبیر سے جو بام و در!
اب ترستے ہیں وہی تسبیح خوانی کے لئے

الغرض دہراؤں کب تک یہ غموں کی داستاں
چاہئے دفتر ہماری اس کہانی کے لئے

اب ضرورت تھی کہ اٹھتے مل کر پھر دستِ عمل
وجہ بن جاتے خدا کی مہربانی کے لئے

سمجھیں اپنی شامتِ اعمال ہم جس کے سبب
یہ مصیبت آئی ہے ہم پر نشانی کے لئے

ہند و پاک و افغاں زنگ[2] و ایران و عرب
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

جس سے زہرہ آب ہو پھر دشمنانِ دیں کا
ہے دعا رب سے صلاح الدین ثانی کے لئے

صدقہ کر دو مال و زر اس مقصدِ جاوید پر
جان دیتے پھرتے ہو دنیائے فانی کے لئے

طاہر اک ٹوٹتا سے زندگانی کا خزف
کاش وہ قرباں ہو اس لعلِ یمانی کے لئے

---

۱ ڈیانی: موشے دیان اسرائیلی کمانڈر کی طرف اشارہ

۲ افریقہ کا سیاہ فام کا علاقہ

حیات نو

مدیر مسئول: نور محمد فلاحی
مدیر معاون: سید راشد علی حامدی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے آئندہ پرچہ اسی وقت بھیجا جاسکے گا آپ چندہ سالانہ عنایت کریں گے۔

رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق اپریل ۱۹۸۳ء

سالانہ تعاون ۲۰ روپے
قیمت فی شمارہ ۲ روپے

شمارہ نمبر ۱
جلد نمبر ۵

نقوش حیات نو

دھڑکنیں

داغ ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

سید راشد علی حامدی

بارگاہ خداوندی سے

زندگی دھوکے کی ٹٹی

مولانا ابوبکر اصلاحی

فکر و خیال

اسلامی انقلاب اور اساتذہ

عبید اللہ فہد فلاحی

مذہب اور سائنس ۔ اشعر القطری

اسلامی تہذیب اور رواداری

محمد مسعود عالم القاسمی

تعلیم اسلام اور مسلمان ۔ سید احمد غازی

خاکے اور کہانیاں

کھلی آنکھوں کا کرب ۔ سید راشد علی حامدی

ہندوستان کا بیروت آسام بعد الیس آئی ایم

سوز و ساز

غزل ۔ ابو المجاہد زاہد ۔ شفق طاہری

حلقۂ یاراں

آستین کے سانپ ۔ محمد اسعد اعظمی

جامعہ کے لیل و نہار

ایس ۔ آئی ۔ ایم کا تربیتی کیمپ

انجمن طلبہ قدیم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس

نشاط پریس ٹانڈہ فیض آباد

دھڑکنیں

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

سید راشد علی حامدی

اس عالمِ ہست و بود میں جہاں دم بدم کن فیکون کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، تغیر و تبدل اور تعمیر و تخریب کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، ہر لمحہ نقوش بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ کائناتِ ارضی و سما ایک میدانِ جنگ بنی ہوئی ہے جہاں ہر شے اپنی بقا کیلئے مسلسل کشمکش میں مصروف ہے اور نتیجۃً اس کرۂ ارضی میں ہمہ آن ایک خوفناک تصادم اور تنازع برپا ہے۔ بعینہٖ قوموں اور ملکوں کی زندگی میں بھی نئے نئے چیلنج ابھر کر سامنے آتے ہیں اور قوموں کی زندگی مختلف نشیب و فراز سے ہو کر گزرتی ہے۔ اگر کوئی قوم اجتماعی طور پر اپنے اصول و نظریات سے سرِ مو انحراف کرتی ہے تو وہ کائنات کے اس بحرِ بیکراں میں حباب کی مانند اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ اور کوئی دوسری قوم اس کا مقام حاصل کر لیتی ہے جس کی ذہنی و فکری سطح اس زوال پذیر قوم سے زیادہ بلند ہوتی ہے۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے موت و حیات اور عروج و زوال کا یہ فطری عمل آج تک برابر جاری ہے۔

لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ کسی قوم کے تنزل و انحطاط میں اتفاقات کا قطعاً عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک تدریجی عمل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ بسا اوقات اس تدریجی عمل کا سلسلہ صدیوں تک پھیلا ہوا ہوتا ہے اور امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ جن قوموں کی فکری اور نظریاتی بنیادیں مستحکم و پائیدار ہوتی ہیں تو صرف یہی نہیں کہ ان کے زوال کا یہ تدریجی عمل کافی دراز ہوتا ہے بلکہ ان کا دورِ زوال دیگر قوموں کے دورِ عروج سے زیادہ درخشندہ و تابندہ ہوتا ہے۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بالکل یہی حال امتِ مسلمہ کا بھی ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس دن سے خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی اسی دن سے امتِ مسلمہ زوال پذیر ہونی شروع ہو گئی اور جس تدریج سے ملتِ اسلامیہ قولی و عملی طور پر اسلام کے متعین کردہ اصول و قوانین اور نظامِ حیات سے دور ہوتی گئی اور اسلام کے بتائے ہوئے نظامِ عدل و قسط اور تقویٰ و جہاد کو پسِ پشت ڈال کر انسانوں کے خود ساختہ اصولوں کو اپنایا گیا اسی اعتبار سے وہ ہر میدان میں شکست و ریخت سے دوچار ہوتی گئی۔ اور ملتِ اسلامیہ کا یہ دورِ زوال بالآخر خلافتِ عثمانیہ کے سقوط پر منتج ہوا جس نے مسلمانوں کی رہی سہی ہیئتِ اجتماعیہ کو بھی توڑ کر رکھ دیا۔ گرچہ یہ صحیح ہے کہ اس دورِ زوال میں بھی امتِ مسلمہ نے اجتماعی اور انفرادی طور پر وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کی نظیر دوسری قوموں میں ملنی ناممکن ہے۔

لیکن خلافتِ عثمانیہ کا سقوط امتِ مسلمہ کیلئے تازیانۂ عبرت ثابت ہوا۔ سیاسی اقتدار سے محرومی نے ایک طرف ان کے اندر یاس و حرماں نصیبی، دل شکستگی اور شکست خوردگی کی سی کیفیات پیدا کر دیں تو دوسری طرف وہ ایسی تھکی ہاری اور منتشر فوج کی مانند ہو گئے جو میدانِ جنگ میں دشمن سے شکست کھا گئی ہو اور جس کا کمانڈر مارا گیا ہو۔ عالمِ اسلام آج بھی جن حالات سے

دوچار ہے وہ سب ہی کا ردِ عمل ہے آج مسلمان صرف اپنی متاعِ دین و دانش اور اپنے اسلاف کا قیمتی سرمایہ اپنے ہاتھوں سے کھو چکے ہیں بلکہ اب اس ناکامی و شکست اور اپنے ملی سرمایہ کے نقصان کا احساس بھی جاتا رہا ہے اور حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہی سب سے بڑی شکست ہے کہ قوم کا سوادِ اعظم اس احساسِ زیاں سے عاری ہو جائے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ٭ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

تاریخ کے اوراق میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس احساسِ شکست کے اٹھ جانے سے مسلمانوں نے اپنی باگیں اپنے ہی دشمنوں کے ہاتھوں میں دیدیں آج عالمِ اسلام دو دھڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے ایک سفید سامراج کے پیچھے بندھا ہوا ہے تو دوسرا سرخ سامراج کے دامن کو تھامے ہوئے ہے۔ جو کہ ظاہری طور پر دو متضاد نظریات اور افکار کے حامل ہیں اور اپنے اپنے جداگانہ اغراض و مصالح کی بنا پر باہم برسرِ پیکار بھی ہیں لیکن اسلام کے سلسلے میں دونوں کے نظریات ہی یکساں نہیں۔ بلکہ امتِ مسلمہ کو نیست و نابود کرنے اور انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے منصوبوں اور پالیسیوں میں بھی کوئی فرق نہیں پایا جاتا دونوں ہی اپنے حدودِ کار اور اپنے وسائل و ذرائع کی حد تک اسکے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔

جب کہ آج اس حقیقت سے انکار کی جرأت شاید کسی کو نہ ہو کہ عالمِ اسلام کو تاریخی اور جغرافیائی لحاظ سے دنیا میں ایک کلیدی مقام حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ آج زوال پذیر ہوتے ہوئے بھی وہ سفید و سرخ سامراج کے جس پلڑے میں اپنا وزن ڈال دیتے ہیں عالمی توازن اسکے حق میں ہو جاتا ہے اور اگر وہ چاہیں تو دنیا کی ایک تیسری طاقت بن کر ابھر سکتے ہیں اور اس عالمی توازن کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہم آج بھی غیروں کے دست نگر ہیں اور اپنے مقام و حیثیت کو قطعاً فراموش کر چکے ہیں۔ اور اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنے مقصدِ وجود کو بھلا دیا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی قوم خدا کے بتائے ہوئے اصول و نظریات سے جان بوجھ کر انحراف کی راہ اختیار کرتی ہے تو وہ صفحۂ ہستی سے اس طرح نیست و نابود ہو جاتی ہے کہ تاریخی کتابوں کے سوا اسکا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہتا۔

درحقیقت امتِ مسلمہ قرآن اور سنتِ رسول اللہ کو پسِ پشت ڈال کر کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتی لیکن لوگوں کے ذہنوں میں مایوسی اور حرماں نصیبی نے اتنے گہرے اثرات ڈالے ہیں کہ یہ بات ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتی کہ اسلام کبھی عالمی قیادت بھی حاصل کر سکتا ہے اور ملتِ اسلامیہ دوبارہ امامت کے منصب سے بھی سرفراز کی جا سکتی ہے۔ اور اسی بنا پر ملتِ اسلامیہ پر روز بروز بدبختی و شقاوت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری راہِ نجات صرف اور صرف دعوت، اجتماعیت میں ہے اور ہم صرف اسلام کے نظامِ حیات کو اپنا کر ہی زندہ رہ سکتے ہیں لیکن غلامی نے ہماری ذہنی و فکری سطح اس قدر پست کر دی ہے کہ ہم آج بھی سپر پاور طاقتوں سے لو لگائے ہوئے ہیں جن کی اسلام دشمنی ثابت

ازبام ہو سکتی ہے۔

وہ قوم جو زوال و انحطاط اور غلامی کے چکروں اور پھندوں سے نکلنے کیلئے کوشاں ہو اسکے لئے ناگزیر ہے کہ انقلابات زمانہ سے ہراساں نہ ہو اور خواب غفلت کے بجائے حقیقت پسندی کا ثبوت دے کیونکہ کوئی بھی شکست خوردہ اور زوال پذیر قوم اپنے عظمت رفتہ کے حصول کیلئے از سر نو زندگی و حرارت کیلئے ایک انقلابی اور تحریکی عمل کی محتاج ہوتی ہے۔ ہر ہر قدم پر مزاحمت تصادم اور کشمکش سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اور جو قوم ان سے گریز اور فرار کی راہ اختیار کرتی ہے وہ کبھی بھی اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ کسی قوم کے عروج و ارتقاء میں "شمشیر و سناں" کا جو کردار ہوتا ہے وہ کسی بھی اہل نظر اور صاحب بصیرت کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ اگر کوئی قوم جہاد و قتال اور شمشیر و سناں کو چھوڑ کر طاؤس و رباب میں گم ہو جاتی ہے تو کوئی دوسری قوم اسکو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتی ہے۔

بد قسمتی سے مسلمانوں نے اس سبق کو بھلا دیا جس کے نتیجہ میں ہماری زندگی میں بے مقصدیت فکری انتشار اور جمود و تعطل کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ جو ہماری قومی و ملی زندگی کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں۔ اور ہم دن بدن زوال کی طرف جا رہے ہیں۔ مقصد سے ناواقفیت کی بنا پر تمام مسلم حکومتیں اپنی منزل مقصود متعین کئے بغیر گزشتہ سامراجی قوتوں کے پیچھے بھاگ رہی ہیں اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا جیسے کار ریں اصول بالائے طاق رکھ کر بے شمار ٹکڑیوں فرقوں اور جماعتوں میں بٹ کر باہم دست بگریباں ہیں اور دشمن کیلئے لقمہ تر ثابت ہو رہی ہیں۔

اگر آج بھی ملت اسلامیہ متحد و متفق ہو جائے تو سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ ہماری نگاہیں دعوت تنظیم اور جہاد پر مرکوز ہونی چاہئیں بصورت دیگر ایک طرف ہم کو اسرائیل اپنی عسکری قوت سے کچل ڈالے گا تو دوسری طرف روس کا پھندا ہمارے گلوں میں کستا رہے گا تا آنکہ ہم غلامی کی زندگی قبول کر لیں۔ سپر پاور طاقتوں کی توسیع پسندانہ ذہنیت کسی بھی حالت میں مسلم ممالک کو خواب سے بیدار ہوتے دیکھنا نہیں چاہتی۔ اگر مسلم ممالک کی تعیش پسندی کا یہی حال رہا اور انھوں نے اپنی قدرتی دولت کو صحیح مصرف میں استعمال نہ کیا تو یہی دولت ان کیلئے وبال جان ثابت ہو سکتی ہے۔

مولانا ابوبکر اصلاحی

بارگاہ خداوندی سے

زندگی ـــ دھوکے کی ایک ٹٹی

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ....
وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ سورہ الکہف (۴۵ تا ۴۹)

اور اے نبی! انہیں دنیوی زندگی کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو زمین کے پودے خوب گنجان ہو کر نکلے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے جنہیں ہوائیں اڑائے لئے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہ جانے والی نیکیاں تیرے رب کے یہاں ثواب کے لحاظ سے اور امید کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ فکر اس دن کی ہونی چاہیے جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور تم زمین کو کھلا میدان دیکھو گے اور ہم تمام انسانوں کو اکٹھا کر دیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی چھوڑیں گے نہیں۔ اور وہ سب کے سب تیرے رب کے حضور صف بصف پیش کئے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے) تم سب ہمارے پاس اسی طرح آ گئے نا جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا لیکن تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے حساب کیلئے کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا ہے۔ اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری شامت یہ عجیب کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا گناہ نوٹ کرنے سے چھوڑا ہے نہ کوئی بڑا گناہ۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

زمین خشک اور بے آب و گیاہ ہوتی ہے ہر طرف غبار اڑ رہا ہوتا ہے ہریالی کا نام و نشان نہیں ہوتا، ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے مٹی سے انکھوے سر نکالتے ہیں، بڑھتے ہیں، پتیاں نکلتی ہیں، شاخیں پھوٹتی ہیں پودے خوب گنجان ہو کر ہرے بھرے ہو جاتے ہیں ہر طرف سرسبزی و شادابی پھیل جاتی ہے جسے دیکھ کر آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ ہریالی و شادابی دیرپا ثابت نہیں ہوتی دیکھتے ہی دیکھتے ہریالی زردی سے بدلنے لگتی ہے، شادابی ختم ہو جاتی ہے پودے سوکھ جاتے ہیں۔ دھوپ کی تمازت اور ہوا کی شدت سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور ایسے بے حیثیت ہو جاتے ہیں کہ ہوائیں جہاں چاہتی ہیں انہیں اڑائے لئے پھرتی ہیں۔

یہی حال انسانی زندگی کا ہے اللہ کا فضل و کرم ہوتا ہے انسان عدم سے وجود میں آتا ہے بچے کی شکل میں ظہور کرتا ہے آہستہ آہستہ بڑھتا ہے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں

کا نور ہوتا ہے جوان ہوتا ہے اور قدرت کا دست فیاضی اسے
طرح کی صلاحیتوں سے نواز دیتا ہے وہ اپنے اندر بہت
کچھ کر ڈالنے کی امنگ اور ولولہ پاتا ہے لیکن یہ جوانی اور طاقت
وتوانائی زیادہ دن نہیں ٹھہرتی جوانی ڈھلنے لگتی ہے طاقت
وتوانائی جواب دینے لگتی ہے بڑھاپا اپنی ساری ناتوانیوں اور
معذوریوں کے ساتھ آدھمکتا ہے اور پھر وہ دن بھی آجاتا
ہے کہ جسم بے جان ہو جاتا ہے وہی جسم جسے پالا پوسا تھا جسے
بنایا سنوارا تھا، کھلایا پلایا تھا اور ہر طرح کی نگہداشت کی تھی
روح اس سے پرواز کر جاتی ہے اور اب ایسا بے حیثیت ہو
جاتا ہے کہ ہر ایک یہی کہتا ہے کہ جلدی کرنی چاہیئے اور بالآخر
اسے قبر کے حوالے کر دیا جاتا ہے جہاں گل سڑ کر مٹی میں مل کر
مٹی ہو جاتا ہے۔

یہ ہے انسان کا انجام جسے اپنی جوانی پر، طاقت پر،
صلاحیت وقابلیت پر بڑا ناز ہوتا ہے جسے اپنی کمائی پر،
دولت وثروت پر، زمین وجائداد پر، کوٹھی وبلڈنگ پر،
شہرت وناموری پر، اختیار واقتدار پر اور حکومت وباد
پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے بھول کر بھی خیال نہیں آتا کہ یہ چیزیں
چند روزہ ہیں، آج ہیں اور کل نہیں۔ مالک یہی ذہن نشین
کرانا چاہتا ہے کہ تمہیں دھوکا ہے یہ چیزیں رہنے والی نہیں،
سب کچھ مالک ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ آج حاصل
نہیں تو اسی کا فضل واحسان ہے اور کل چھن جائیں گی
تو کسی کا بس نہ ہوگا کہ روک سکے۔ یہ دنیوی زندگی پر فریفتہ ہیں
سمجھتے ہیں یہاں ہماری بہار رہے گی، خزاں کبھی نہیں آئیگی
انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بہار چند روزہ ہے جس طرح
پودوں کی سرسبزی وشادابی کو بقا نہیں کہ کچھ ہی دنوں بعد
پیلے پڑ جاتے ہیں اور پھر خشک ہو کر اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ
ہو جاتے ہیں اسی طرح اس بہار پر بھی خزاں طاری ہوگی اور
انسان کو جو کچھ حاصل ہے اس کا وہی   جو موسم خزاں میں
پتیوں کا ہو جاتا ہے کہ جس طرح موسم خزاں میں وہ درختوں سے
جدا ہو جاتی ہیں اسی طرح سانس بند ہونے کے بعد یہ سب انسان کا
ساتھ چھوڑ جائیں گے۔

تین چیزیں ہیں جن پر انسان کو بڑا ناز ہوتا ہے تو دنیوی زندگی
ہے جس کی ناپائیداری کا حال معلوم ہے کہ آج ہے کل
نہیں اور کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کب ساتھ چھوڑ جائے
اس لئے رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے نصیحت فرمائی۔
عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ
سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ (بخاری)

حضرت ابن عمر سے روایت وہ کہتے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کا کوئی حصہ پکڑا
پھر فرمایا دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو
یا راہ رو اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو یہ ہے کہ اس
دنیا میں اپنے آپ کو مسافر بلکہ راہرو سمجھو کہ بس منزل پر پہنچنے
ہی والے ہو اور موت کو اتنی جلد آنیوالی اور قطعی سمجھو کہ
اپنے آپ کو زندوں میں نہیں مردوں میں شمار کرو۔

ابوذر صحابی کا قول ہے
کَانَ بِیْہِ عَجَبٌ لِمَنْ اَیْقَنَ بِالْمَوْتِ کَیْفَ یَفْرَحُ بِالدُّنْیَا ——
(ابن عساکر)

جسے موت پر یقین ہے اس کا دنیا پر اکڑنا حیرت
انگیز بات ہے۔

گویا دنیا پر اکڑنا، اترانا اور فخر وغرور کرنا ناسمجھی ہے مگر
انسان کا عجیب حال ہے کہ دنیا پر فریفتہ بھی رہتا ہے اور اسی پر
اکڑتا ہے اور فخر وغرور بھی کرتا ہے۔ علامہ رازی نے کیا خوب
فرمایا۔ تجھ پر کیا اعتبار ہے، ہستی آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
دوسری چیز جس پر انسان کو بڑا ناز ہوتا ہے وہ ہے مال و
دولت اور خوشحالی وثروت حاصل ہوتی ہے وہ اپنے میں
نہیں رہتا اسے بڑا غرور وگھمنڈ ہو جاتا ہے۔ اسلئے معلم صادق

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سے پردہ اٹھایا ہے اور حقیقت
کھول کر سامنے رکھ دی ہے فرمایا:

يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي إِنَّ مَالَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ مَا أَكَلَ فَأَفْنَى
وَمَا لَبِسَ فَأَبْلَى وَمَا أَعْطَى فَاقْتَنَى وَمَا سِوَى ذَالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ
وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ (مسلم)

مال و دولت تو دنیا کا چند روزہ استعمال کا سامان ہے جب تک زندگی کی مہلت حاصل ہے اس سے فائدہ اٹھا لیں سانس بند ہوتے ہی وہ دوسروں کی ملکیت ہو جائیگا پھر اس پر غرور و تکبر کیا معنی؟ اس میں اپنا حصہ تو بہت قلیل ہے وہی جو کچھ طعام و لباس میں استعمال کر لیں۔ ہاں اگر دل ہو اور اسکے ساتھ فہم بھی تو اللہ کی راہ میں خرچ کرکے سب یا کثیر مقدار کے حصہ دار ہو سکتے ہیں کا نمونہ صحابہ کرام کی زندگیوں سے ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ مگر ہمیں تو مال کی محبت ایسا کرنے سے باز رکھتی ہے بالآخر خود رخصت ہو جاتے ہیں اور سب کچھ دوسروں کے حوالہ ہو جاتا ہے۔

تیسری چیز اولاد ہے جس پر انسان کو بڑا ناز ہوتا ہے لیکن کیا اس کا یہ ناز اور یہ غرور و گھمنڈ بجا ہے؟ بلاشبہ اس چند روزہ زندگی میں اولاد سے فائدہ اٹھا لیجئے لیکن موت کے بعد کی کٹھن منزلوں میں کیا کوئی حق رفاقت ادا کریگا نہ تو اولاد ساتھ ہوگی اور نہ عزیز و اقارب میں سے کوئی اور یہی حقیقت ہے جیسے اس حدیث شریف میں واضح فرمایا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ
وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ (مسلم)

انسان کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ زندگی، مال اور اولاد بھروسہ کے چیز نہیں ہیں۔ یہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے یہ جائیگی ان پر اکڑا اور اترایا جائے۔ عمل ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے اعمال پہ سے کر بڑا ضبط کرتے ہوئے اعمال صالحہ کا ذخیرہ اکٹھا کر لینا چاہیئے کیوں کہ یہی آخرت میں اجر کا ذریعہ بنیں گے۔ اور انہیں سے یہ نئی زندگی جا سکتی

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو۔ اور جنت کے مستحق قرار پا سکیں۔

یہ نظام عالم بظاہر بڑا مستحکم نظر آتا ہے۔ اور دنیا پرستوں کی نظر میں لازوال بھی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ مضبوط و مستحکم نظام درہم برہم نہیں ہو سکتا۔ بھلا یہ دریا یہ پہاڑ یہ جنگل یہ بیابان یہ قصبے یہ محل یہ حویلی یہ چمن فنا ہو سکتے ہیں۔ انسان اک کھلا ہے کہ اس بھول میں نہ پڑو۔ کہ یہ فنا نہیں ہو سکتے۔ یہ سب کچھ چار روزہ مدت تک موجود ہے۔ ان سب میں پہاڑ سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے۔ مگر وہ بھی ہم ہلا دیں گے۔ یعنی یہ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور بکھر جائیں گے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔ پہاڑ چلا دیئے جائیں گے۔ تو وہ (ٹوٹ کر) چھوٹے ٹکڑے ریت ہو جائیں گے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا۔ (وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ) پہاڑ دھنے اون کے مانند ہو جائیں گے۔ غرضیکہ یہ نظام ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیگا۔ زمین بالکل سپاٹ کھلے میدان کی طرح ہو جائیگی۔ ایک نیا نظام برپا ہوگا۔ مالک فرماتا ہے کہ پھر ہم ان سب لوگوں کو اکٹھا کریں گے اور کسی کو بھی چھوڑیں گے نہیں۔ اس فکر اس دن کی کرنی چاہیئے۔ اور اس زندگی کے لئے پوری پوری تیاری کرلینی چاہیئے۔

اس دن لوگ صف بصف گروہ در گروہ جماعت در جماعت مالک کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اس وقت کہا جائے گا۔ کہ تمہارا گمان تھا کہ ہم نے تمہارے حساب کتاب کیلئے کوئی دن مقرر نہیں کیا۔ ہمارے نبیوں نے تمہیں حقیقت کی خبر دیتے تھے۔ اور تمہاری سمجھ میں اس وقت بات نہیں آئی تھی۔ وہ تمہاری نظروں کے سامنے آگئی۔ جنہیں ہمارے سامنے آنا پڑا۔ اور یہ کام ہمارے لئے ویسا ہی آسان رہا۔ جیسے کہ پہلی بار پیدا کر دینا ہمارے لئے آسان تھا۔ لیکن تم سمجھتے تھے کہ کام محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی دعوت کے جواب میں کافروں کا قول نقل فرمایا ہے جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا۔

أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ (ق)

"جب ہم مر جائیں گے اور (گل سڑ کر) مٹی ہو جائیں
گے۔ تو دوبارہ پیدا کر دینا دور کی بات ہوگی۔"

اب لوگوں کے سامنے نامہ اعمال رکھ دیا جائیگا۔ پوری زندگی کا کچا چٹھا بلا کم و کاست ہوگا۔ مجرم لوگ اس کے اندراجات دیکھتے ہوئے خوف کھا رہے ہونگے۔ کیونکہ سامنے کرتوت تھیلا آنبے ہوں گے۔ وہ افسوس کر

عبید اللہ محمد فاروقی

اسلامی انقلاب اور اساتذہ

طلبہ پر اساتذہ کی شخصیت کا اثر

شعر کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ ایک حقیقت ہے کہ طلبہ پر اساتذہ کی شخصیت کا زبردست اثر پڑتا ہے۔ جس قسم کا استاد ہوگا اسی طرح کے طلبہ بھی ذہن رکھیں گے۔ یہ ناممکن ہے کہ اساتذہ تو ملحد بے دین فسد اور بدعمل ہوں۔ اور طلبہ کے اندر دین سے محبت، اخلاق سے لگاؤ، اصلاح و امن اور عمل کی روح بیدار ہو۔ بالکل اسی طرح اگر اساتذہ با اخلاق، شعوری مسلمان، محنت سے خوگر اور طلبہ دین کی تڑپ رکھنے والے ہوں گے تو یہ امر محال ہے کہ یہاں سے طلبہ بد اخلاق، محنت سے جی چرانے والے اور بے حس نکلیں۔ ایک معلم مجسم تعلیم ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک ادا شاگردوں پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ طلبہ صرف اس کا لیکچر ہی نہیں سنتے بلکہ اس کی کتاب زندگی کا بھی مطالعہ کرتے ہیں۔

ذاتی کردار

مندرجہ بالا حقیقت کے پیش نظر معلم کو اسلام کا عملی نمونہ بننا چاہیئے۔ اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو جائے شوکت و اقتدار ملے۔ اور قرون اولیٰ کی عظمت پھر لوٹ آئے۔ تو اپنا کردار اسلامی اور شخصیت تعمیری بنانا چاہیئے۔ حفیظ میرٹھی کا یہ شعر کتنا پر حقیقت ہے کہ

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

لیکن یہاں کردار اور اخلاق کا محدود تصور مراد لینا غلط ہوگا۔ چونکہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ اور اس کا تصور تربیت بھی وسیع اور ہمہ گیر ہے اس لئے ظاہری دینداری، عبادات کی پابندی اور کچھ اچھائیوں کو اختیار کر لینا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ استاد کا تصور خدا، تصور کائنات، تصور انسان اور تصور علم سب کچھ اسلامی ہونا چاہیئے۔ پھر اس کی پوری زندگی اسی اسلامی تصور کی عبارت ہونی چاہیئے۔ سارے اسلام کا

چلتا پھرتا نمونہ بننا چاہیئے۔ ہمیں حضور اکرمؐ کی تعلیمات سے یہی سبق ملتا ہے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کا اخلاق کیسا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ کان خلقہ القرآن۔ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو اپنے سینے میں اتارا۔ اسے عملی زندگی میں نمونہ بنا کر انسانوں کے سامنے پیش کیا۔ پھر اس کی بنیاد پر آپ نے جو جماعت کھڑی کی وہ بھی قرآن کی منہ بولتی تصویر تھی۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، راہ یاب ہو گے) اور عبداللہ بن مسعود نے ان کی تعریف یوں کی کہ اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ واقامۃ دینہ (یعنی اللہ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تھا۔)

گویا اسلامی تعلیم و تربیت کا پہلا وسیلہ خود استاد کا ذاتی کردار ہے۔ کیونکہ بچوں کو جن امور کی تربیت دینا مقصود ہے معلم ان کا عملی نمونہ پیش کرے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پرائمری اسکول سے یونیورسٹی سطح تک تمام تعلیمی اداروں میں اسلامی اسپرٹ جاری و ساری ہو، اور یہ اس وقت ممکن ہے جب اساتذہ کرام اسلام کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔

نصاب تعلیم کی تبدیلی

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ تعلیمی نصاب سراسر غیر اسلامی ہے۔ یہاں وہ فلسفہ پڑھایا جاتا ہے جو اسلام سے کوئی میل نہیں کھاتا۔ سائنس وہ پڑھائی جاتی ہے جس کی بنیاد نیچرل تھیوری پر اور ماورائی طاقت کے انکار پر رکھی گئی ہے۔ تاریخ وہ ہے جو فرعون و موسیٰ کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔ اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات سب غیر اسلامی ہیں۔

اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ ان ساری کتابوں کو نظر انداز کر کے از سر نو جدید کی جائے، اگر ہر مسلمان استاذ صورت حال کی سنگینی کا احساس کرے۔ اور محنت و جہد کی جائے۔ تو تھوڑی سی تبدیلی سے ان ساری کتابوں کو مسلمان بنایا جا سکتا ہے۔ ہر شعبۂ علم میں اگر ضروری ٹیکسٹ بکس تیار کر دی جائیں۔ تو پھر سوشیالوجی پڑھانا ہو یا اقتصادیات، سیاسیات پڑھانا ہو، یا تاریخ، فلسفہ پڑھانا ہو یا سائنس۔ ہم ہر علم اسلامی نقطۂ نگاہ سے پڑھا سکتے ہیں۔

معلومات کو پیش کرنے کا اسلامی انداز

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک نصابی کتب تیار نہ ہو جائیں، آپ دہری کافرانہ ملحدانہ متشککانہ خیالات ان کے ذہنوں میں منتقل کرتے رہیں۔ بلکہ آپ اپنی جدوجہد اور حکمت سے انھیں اپنے کاز کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر موجودہ علوم کی کتابوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ نیچر ہی خالق ہے۔ اور NATURAL LAW کو اٹل اور ناقابل تغیر کہا گیا ہے۔ لیکن ایک مسلمان کبھی اسے تسلیم نہیں کر سکتا اس کے نزدیک تو اس عالم کا خالق اللہ رب العالمین ہے۔ یہاں دو سائنس دانوں کی مثال پیش کرنا فائدے سے خالی نہ ہو گا۔ ایک طرف ڈارون ہے جو اپنے نظریات کی بنیاد فطرت پر رکھتا ہے اور خالق کائنات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ دوسری طرف مشہور ماہر چشم ابن الہیثم ہے جو اپنے خیالات و نظریات کی تشریح کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرتا ہے اور خالق اکبر کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ دیکھئے ایک عالم جاہل اور مسلمان عالم کے درمیان کتنا فرق ہے۔ معلومات دونوں کی یکساں ہو سکتی ہیں لیکن انھیں پیش کرنے کا انداز بالکلیہ مختلف ہو گا۔

.. یہی مثال کیمسٹری، فزکس، اور غیر نباتی علوم کی بھی ہو سکتی ہے بلکہ SOCIAL SCIENCES کو تو اسلامی خیالات کا علمبردار اور ترجمان آسانی سے بنایا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر تاریخ کو لیجیے۔ مورخین مغربی تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب ہر ایک کی خصوصیات بیان کرتے ہیں۔ اور ان کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سب کو تہذیب نہیں جاہلیت قرار دیتا ہے کیوں کہ اللہ نے انسان کی زندگی کا جو مقصد قرار دیا ہے۔ یعنی بندگی رب، وہ ان نام نہاد تہذیبوں میں کہیں نظر نہیں آتا۔

غرضیکہ ان تمام علوم کو نئے الفاظ، نئی تراکیب، نئے طریقوں اور نئی اصطلاحات کے ذریعہ اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ اور ان سے غلبہ دین کی خدمت لی جا سکتی ہے۔

تنقید و اجتہاد

ایک طرف ہر مسلم استاذ کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی نہ کسی سطح پر جس شعبہ علم سے وہ متعلق ہے اس میں تحقیق و تخلیق اور تدقیق کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار قائم کرے۔ اور اس کے لئے اپنی تخلیقی صلاحیت، غور و فکر اور گہری نظر کو استعمال کرے جو اللہ نے ہر انسان کو کسی نہ کسی درجے میں عطا کی ہے۔ تو دوسری طرف وہ اپنے اندر تنقید، اجتہاد اور جدت فکر کی صلاحیت بھی پیدا کرے۔ ہم اب جب کہ احیاء اسلام کی تحریک کا ساتھ دینا چاہتے ہیں، تو آگے بڑھ کر ہر علم کی قیادت سنبھالنا ہوگی۔ اور مغرب نے جو بوسیدہ مفروضات اور پرانے اصول قائم کر رکھے ہیں انہیں ڈھانا ہوگا۔ اور ہر شعبہ علم میں نئی اجتہادی بنیادیں قائم کرنا ہوں گی۔ بقول خرم جاہ مراد۔

"علمی طور پر آج مغرب کے علمی چیلنج کا صرف مقابلہ ہی نہیں کرنا بلکہ ایک طرف یہ ثابت کرنا ہے کہ مغرب کے علم کی بنیادیں غلط ہیں۔ وہ بنیادیں یعنی زندگی سے خدا کے اخراج، رسالت سے استغنا، وحی سے اعراض اور انسانی عقل کو سب کچھ مان لینے پر قائم ہیں۔"

بقول اقبال:

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

جو عالم افکار مغرب نے تعمیر کیا ہے اس کو مٹانے کے لئے جس مہدی کی ضرورت ہے۔ وہ مہدی آپ میں سے ہر ایک بن سکتا ہے، اگر آپ اپنے شعبہ علم میں غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کے ساتھ دلچسپی کے ساتھ اجتہاد کی صلاحیت بھی پیدا کریں۔

مقصدیت اور قربانی

عالم اسلام کے ایک زبردست مفکر کے بقول۔

"ایک حقیقی استاذ کوئی پیشہ ور کتابیں پڑھانے والا نوکر نہیں ہوتا۔ بلکہ درحقیقت وہ ایک مشنری ہوتا ہے۔"

اس کی زندگی کا مشن یہ ہوتا ہے کہ جو علم اس کو اگلوں سے پہونچا ہے، جو تہذیب، جو عقائد اور عادات و خصائل اس کو اپنے اسلاف سے ملے ہیں، اس کو آنے والی نسل تک پوری دیانت داری سے پہونچائیں۔ اگر کوئی اس جذبے سے تعلیم نہیں دیتا۔ تو وہ ملازم ہے معلم نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ دور ہماری قوم میں مادہ پرستانہ ذہنیت بری طرح سرایت کر چکی ہے۔ تمام اعلیٰ مقاصد، انسانی اقدار، حلال و حرام کی تمیز، خیر و شر کا احساس، اصول پسندی اور چاپلوسی کے درمیان امتیاز، ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اب ذاتی منفعت اور عہدوں کا حصول، تنخواہوں میں اضافہ، گریڈوں اور ترقیوں سے دلچسپی ہی اس تعلیمی دور کی خصوصیات بھی جانے لگی ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے اس ذہنیت کی بڑی خوبی سے عکاسی کی ہے۔

نہیں اس کی کوئی پرستش کہ یاد اللہ کتنی ہے
مگر سب یہ پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

لیکن آپ کے سامنے یہ حقیقت واضح رہنا چاہیے کہ یہاں سرپھروں اور دیوانوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے آپ کو ذاتی منفعت کی سطح سے بلند ہو کر اقدار سے محبت، نیکی کے حصول، خیر کو فروغ اور معروف کو پھیلانے کے جذبے کو گلے لگانا پڑے گا، تب آپ اسلامی احیاء کا کام کر سکتے ہیں۔

طلبہ کا رول

احیائے اسلام کی تحریک میں طلبہ کی شرکت اسے کامیاب بنانے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اس لئے کہ معاشرے کا محسن یہی ہو سکتے ہیں۔ نیا خون، نیا عزم، نئی امنگ اور نئے حوصلے انہیں کی ملکیت ہوتے ہیں۔ انہیں پر ملک کی تعمیر اور تخریب کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر یہ سدھر جائیں، اور اسلامی تحریک کا ہراول دستہ بن جائیں تو کوئی قوت اسلامی انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتی اور اور اگر یہ بہک جائیں، اور شیطان کے پھندے میں پھنس جائیں تو اسلامی تحریک انہیں اس پھندے سے نکالے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

مقصد تعلیم سے آشنائی

قرآن نے انسانی زندگی کا مقصد وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ بتایا ہے۔ اس لئے اسلام میں علم وہی مستحسن ہے جو انسان کو خالق کائنات کا سچا اور سچا عبادت گذار بنا دے۔ اور اس کی زندگی إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کی سچی تصویر بن جائے۔ یہ مقصد ہمیشہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہو، آپ کو بے مقصد زندگی سے نفرت ہو جائے۔ آپ ہوٹلوں، چائے خانوں اور پارکوں میں وقت گنوانے کے بجائے ہمہ تن مستعد ہو جائیں۔ اور اپنی اور دوسرے بھائیوں کی زندگی کو اس مقصد سے ہمکنار کرنے کے لئے

سراپا سیماب بن جائیں۔

آپ کو کوئی دھن سوار ہو تو خدا کے دین کے غلبہ کی، آپ کی آرزو اقامت دین کے میدانوں میں مصروف ہو، آپ کی تمنائیں بندگئ رب کے ارد گرد منڈلاتی رہیں۔ اور آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ جستجو اور آرزو ہی دراصل زندگی کا نام ہے۔ بغیر آرزو کے یہ جسم لاشۂ بے جان ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو را در دلِ خود زندہ دار
تا نہ گردد خاکِ تو مثلِ مزار

زندگی کا راز جستجو میں ہے اس کی حقیقت اور بنیاد آرزو میں ہے۔ آرزو کو اپنے دل میں زندہ رکھو تاکہ جس مٹی سے تو بنا ہے، وہ مزار بن کر نہ رہ جائے۔

متاعِ دنیا کے پھندوں سے فرار

دوسری چیز جو آپ کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ وہ دولت دنیا سے بے نیازی ہے۔ یہ دنیا آپ کا میدان عمل ہے جہاں آپ کو اپنی جدوجہد سے رضائے الٰہی حاصل کرنا ہے۔ لیکن آپ کا دل دنیا پر بادشاہی کرے۔ متاع دنیا کی آپ کے دل پر بادشاہت نہ ہو۔ رسول اکرمؐ کے سفیر ربعی بن عامرؓ کی طرح جو رستم کی بیش قیمت قالینوں کو تلوار اور نیزے کی انی سے چھیدتے ہوئے دربار میں پہونچے۔ گھوڑے کو سونے سے باندھا۔ یہ منظر دیکھ کر کچھ سپاہیوں نے اعتراض کیا، تو بولے، میں خود سے آیا نہیں ہوں، مجھے بلایا گیا ہے۔ اگر تمہیں منظور نہیں ہے تو واپس جاتا ہوں۔ یہ مسلم قلندرانہ جلال اور دنیوی زخارف و چیزوں سے بے نیازی کو دیکھ کر کپکپا اٹھتا ہے۔ بولتا ہے آنے دو۔ اور جب اندر کا مقصد

پوچھا جاتا ہے تو کھلے لفظوں میں کہتے ہیں۔

بعثنا لنخرج من شاء الله منكم من عبادة العباد الى عبادة الله، ومن جور الاديان الى عدل الاسلام ومن ضيق الدنيا الى سعة الآخرة۔

(ہم اس لئے آئے ہیں کہ جس کو اللہ توفیق دے اسے بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں ادیان کے ظلم وستم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کے سایہ تلے اور دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں پہونچا دیں۔)

زندگی میں عالم کا یہ جاہ وجلال اور قلندری کی وہ بے نیازی اپنے اندر پیدا کیجئے۔ دنیا کے انتظام میں ہمہ تن مصروف رہیں لیکن اس کی کشش سے بالکل بے نیاز رہ

ز علم چارہ سازے بے گدازے
خوشتر نگاہ پاکبازے
نکوتر از نگاہ پاکبازے
دلے از ہر دو عالم بے نیازے

جو علم کام تو بنا دے لیکن دل میں گداز نہ پیدا کرے، اس سے کہیں بہتر ہے وہ نگاہ جو پاکباز ہو اور نگاہ پاکباز سے بھی بہتر وہ دل ہے جو دونوں جہان سے بے نیاز ہو۔

محنت اور جد وجہد

تیسری چیز جس کے ہم سب سے زیادہ ضرورتمند ہیں اور جس کے فقدان سے مسلم دنیا نقصان اٹھا رہی ہے، وہ محنت اور جد وجہد ہے۔ قانون قدرت کے تحت اسی کسان کا کھلیان بھرا ہوا رہتا ہے جو محنت کرتا ہے، اور گرمی سردی دھوپ برسات ہر موسم میں کھیتوں میں اپنا پسینہ بہاتا ہے۔ بڑی کاوش اور محنت کے بعد آرزو کی تکمیل

نہیں کر سکتے۔

تاریخ اسلام کی نامور ہستیوں کو دیکھ جائیے۔ ان میں سے کوئی ایسا آپ کو نہ ملے گا۔ جو بغیر محنت اور جد وجہد کے کوئی کارنامہ کر سکا ہو۔ ڈپٹی نذیر احمد جن کا اردو ادب میں خاص اونچا مقام ہے۔ اور جن کی مراۃ العروس توبۃ النصوح ہر گھر میں پڑھی جاتی ہے۔ وہ جب دہلی کالج کے طالب علم تھے اور کالج کے نامور استاذ مولانا مملوک علی سے درخواست کی کہ مجھے فاضل وقت دے دیں تاکہ میں کچھ پڑھ سکوں۔ تو استاذ نے فرمایا کہ کالج سے آنے اور جانے کا وقت میرے پاس فاضل ہے۔ شوقین طالب علم نے وہ وقت بھی قبول کر لیا۔ مولانا ڈولی میں بیٹھ کر آتے جاتے تھے جس کو کہار کندھوں پر اٹھا کر تیز رفتاری سے چلتے تھے۔ نذیر احمد ڈولی کے ساتھ ساتھ دوڑتے رہتے تھے۔ اس طرح پڑھائی ہوتی تھی۔ بارہا ایسا ہوا کہ ٹھوکر لگی۔ اور گر پڑے گھٹنے اور کہنیاں چھل گئیں مگر کوئی چیز حصول علم کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

مولانا شبلی نعمانی جب درس نظامی سے فارغ ہوگئے۔ تو عربی ادب کا شوق پیدا ہوا۔ اس زمانے میں عربی زبان کے شاعر اور ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری تھے۔ جو اورینٹل کالج لاہور میں مدرس تھے۔ شبلی لاہور پہونچے۔ مولانا سے عرض مدعا کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی فاضل وقت نہیں ہے۔ البتہ میرا گھر کالج سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ میں پیدل آتا اور جاتا ہوں۔ آپ اس وقت میں پڑھ سکتے ہیں۔ مولانا شبلی کالج آنے اور جانے کے اوقات میں پابندی سے حاضر ہوتے سردی گرمی ہر موسم میں مولانا شبلی کالج کے دروازے پر پہنچنے کے وقت کھڑے نظر آتے۔ سالوں یہ التزام جاری رہا۔ اور اس طرح عربی ادب کی تکمیل کی۔

بالکل آخری زمانے میں مولانا عبد السلام خان نیازی دہلی میں معقولات کے بڑے عالم تھے۔ قلندرانہ روش کے حامل اور آزاد مشرب کے آدمی تھے۔ مولانا مودودی نے ان سے

پڑھنے کی درخواست کی۔ خاندانی وجاہت کے سبب وہ انکار نہ کر سکے۔ مگر تدریس کے لئے انہوں نے ایسی کڑی شرط رکھی جو تقریباً انکار رکھنے کے مترادف تھی۔ شہزادے صاحب سے کہا کہ ہم اس شرط کے ساتھ پڑھائیں گے کہ درس وتدریس کا عمل جاری رہے۔ عمل ختم ہو جائے۔ مولانا مودودی نے ہمیشہ جوتیوں کا لحاظ رکھا۔ ادائیگی کے وقت ہی مولانا مودودی نکلے۔ کام یا برابری سے جانے اور تحصیل علم میں مشغول ہو جاتے۔

ذوق و شوق اور محنت کی نادر مثال منشی جی نے پیش کی ہے۔ وہ بہی لغت بہار عجم کی تالیف میں مشغول تھے اس زمانے میں نادرشاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ منشی جی نے اس موقعہ کو غنیمت جانا۔ وہ روزانہ ایرانی لشکر میں جا کر اہل زبان سے الفاظ اور محاورات کی تحقیق کرتے تھے حتیٰ کہ جس روز نادرشاہ نے دلی میں قتل عام کا حکم دیا۔ ۹ بجے تا ۲ بجے دن کو (ارمارچ ۱۷۳۹ء) اس وقت بھی منشی جی حسب سابق ایرانی لشکر میں تحقیق الفاظ فرما رہے تھے۔

لیکن آج ہماری حالت کیا ہے۔ کاہلی، سستی ضیاع وقت، کام چوری اور تاخیر و تسویف ہماری امتیازی خصوصیات بن چکی ہیں۔ اگر ہمیں احیائے اسلام کی مہم میں ہاتھ بٹانا ہے تو محنت اور ذوق و شوق کو اوڑھنا بچھونا بنانا ہو گا۔ لائبریریوں اور لیبارٹریوں میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنا ہو گا۔ اور موضوع پر عبور حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنی ہو گی۔

تسخیر کائنات کی تیاری

یہ حقیقت ہمیشہ آپ کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنی چاہیئے کہ مومن مرد پر دین کا امیر بنایا گیا ہے وہ مغلوبیت، پستی اور ذلت کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ پوری کائنات اس کے لئے مسخر کی گئی ہے اس لئے خالق کی یہ دنیا خالق کے باغیوں کے لئے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ دین کی اصل حقیقت اجتناب کائنات ہے شیطان کی سازش

ہے کہ مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

اور ہمیں اس سازش کو ناکام بنانا ہے اور یہ اسی وقت ناکام ہو سکتی ہے جبکہ

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

کی حقیقت ہمیشہ ہماری نگاہوں کے سامنے رہے ہمیں پوری کائنات کی تسخیر کرنے کا جذبہ رکھنا چاہیئے اور قوانین کائنات کے انکشاف اور قدرت کی نعمتوں کو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنے میں سب سے آگے رہنا چاہیئے۔ یقیناً مذہب اور سائنس کی اس پوری بحث سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اہل کلیسا کی بے جا ہٹ دھرمی اور ضد کی بنا پر جو مذہب اور سائنس کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ جدید سائنسی تحقیقات نے اس کو دور کر دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو یقیناً بے جا نہ ہو گا کہ سائنسی نظریات اور مابعد الطبیعی نظریات اس طرح مل گئے ہیں کہ مذہبی تصورات و نظریات میں سائنسی غور و فکر کا رنگ پیدا ہو گیا ہے شاعر اسلام ڈاکٹر سر محمد اقبال خطبات لیور پول میں فرماتے ہیں۔

"آئن سٹائن کے نظریئے نے ہمیں کائنات کی ایک نئی جھلک دکھائی ہے۔ جس سے ان مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے نئے راستے پیدا ہو گئے ہیں جو مذہب اور فلسفہ کے درمیان مشترک ہیں۔ اس حقیقت سے انکار کی شاید کوئی جرأت نہ کر سکے کہ مذہب بیزاری خدا سے دوری اور مادیت سے عدم تحفظ نے پوری دنیا میں جو سماجی سیاسی اور معاشرتی بحران پیدا کر دیا ہے اور جس کے حل کیلئے آج تمام مفکرین اور دانشور پریشان نظر آتے ہیں۔ اس وقت ہمارا منصب یہ ہے کہ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ جو برحق اور صحیح ترین دین ہے مجھے امید ہے کہ ہماری آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو گی کیونکہ آج مذہب دشمنی کا تصور تقریباً ختم ہو چلا ہے۔ اور مذہب اور سائنس کے درمیان جو فصل اور بعد پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔

اشعر القطری

مذہب اور سائنس

انیسویں صدی کی آخری دہائی ہونے ہی میں جو دنیائے علم کو جو انقلاب ہوا اور انسانی ذہن و دماغ نے کائنات کے سلسلے میں تحقیق و جستجو اٹھائی اور مشاہدے کئے ہیں وہ مثل سابق اور عملی منطقی تحقیقات پیش کیں جن کی روشنی میں علم فلکیات، طبعیات و حیاتیات، ارضیات، کیمیا و حیوانیات وغیرہ علوم و فنون کی اتنی ترقی ہوئی کہ انسان انگشت بدنداں رہ گیا۔ اس سائنسی اور علمی ارتقاء نے نہ صرف ہوکر پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے بلکہ پچھلے تمام علمی و عقلی تصورات ایک دھماکہ کے ساتھ زمین بوس ہو گئے۔ بقول شخصے اس طرح اس نے مسخر کائنات کا بیڑہ اٹھایا۔

علوم سائنس کی دن دونی رات چوگنی ترقیات، حیرت انگیز ایجادات واختراعات اور نئے نئے انکشافات کی بنا پر لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور تمام اہل مذاہب سائنس زدہ، دہریت زدہ اور مذہب بیزار لوگوں کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ موجودہ سائنسی دور میں مذہب کی قطعاً ضرورت نہیں، اور دوسری جانب سائنس کی اس تحقیق نے پوری کر دی کہ کائنات میں علت و معلول کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے اور علت و معلول کے انہی عوامل کی بنا پر کائنات کی تخلیق عمل میں آئی ہے اور برابر تشکیل پا رہی ہے۔ اس کے علاوہ کائنات کو کسی مستقل صاحب خلق و امر ذات یا خدا کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس نئی تحقیق نے لوگوں کے اس خیال کو مزید تقویت بہم پہنچائی کہ سائنس نے نہ صرف مذہب کی بنیادیں متزلزل کر دیں بلکہ اس کو ایک طرف غلط کی طرح مٹا دیا۔

جولین ہکسلے ایک جگہ مذہب پرستوں کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جس طرح ایٹم کے ٹوٹنے سے مادہ کے بارے میں پچھلے تمام تصورات ختم ہو گئے اسی طرح پچھلی صدی میں جو علم کی ترقی ہوئی ہے وہ بھی ایک قسم کا علمی دھماکہ ہے جس کے بعد مذہب اور خدا کے متعلق پچھلے تمام تصورات ختم ہو گئے۔"

مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر فرائڈ مذہب کے بارے میں اپنا دو ٹوک فیصلہ سناتے ہوئے لکھتا ہے۔

"انسانی زندگی تین واضح نفسیاتی ادوار سے گزرتی ہے۔ دور وحشت، دور مذہب، دور سائنس۔ یہ سائنس کا دور ہے۔ لہٰذا اب مذہب کی باتوں میں کوئی معنویت نہیں وہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اپنی تمام قدر و قیمت کھو چکا ہے۔"

یہ صورتحال مذہب پرستوں کیلئے ایک بہت بڑا چیلنج ثابت ہوئی بلکہ مذہب کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن گئی لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ صورتحال کیسے پیدا ہوئی اور انکار خدا اور مذہب کے اصل اسباب و محرکات کیا تھے۔

مندرجہ بالا اقتباسات پر غور کیا جائے تو بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انکار خدا اور مذہب کا اصل سبب اور محرک سائنسی ارتقاء ہے لیکن یہ بات کچھ دل کو لگتی نہیں۔

تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت کو سمجھ جاتا ہے کہ تاریخ انسانی کے ہر دور میں انسان کے اولین تصورات میں سے

سب سے پہلا تصور تخلیق کائنات کے گرد گھومتا ہے۔ تلاش و جستجو اور حیرت و تجسس انکی فطرت ہے عالم انسانیت نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں اس وقت سے انسان ان لامتناہی وسیع و خلائے بسیط، کرۂ ارض و قمر اور اجرام فلکی کو حیرت و تجسس کی نگاہ سے دیکھتا اور ان کے رازہائے سربستہ کو کھولنے کی فکر میں سرگرداں رہا ہے۔ تقریباً ہر دور کے علماء و مفکرین، فلاسفہ اور محققین اپنی اپنی بساط عقل و شعور اور وسعت فکر و نظر کے مطابق اس پر سوچتے اور اظہار خیال کرتے رہتے ہیں چنانچہ انسان نے ابتدائے آفرینش سے جو علمی و سائنسی سفر شروع کیا وہ آج تک برابر جاری ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل بیجا نہ ہوگا کہ موجودہ سائنسی تحقیقات اور حیرت انگیز ایجادات جس کی بنا پر لوگ اس دور کو سائنس کا دور گردانتے ہیں در اصل انسان کے اسی تدریجی اور ارتقائی عمل کا مرہون منت ہے جو قدیم ترین دور سے جاری ہے۔

علم فلکیات ہی کو لیجئے، قدیم ترین دور میں بھی یونان، چین اور ہندوستان کے محققین اجرام فلکی کی تحقیق و جستجو کرتے رہے ہیں اور انکی وسعت و رفتار کا اندازہ کرکے انکے زمین پر پڑنے والے اثرات کی پیشین گوئی کرتے رہے ہیں۔ جو صرف حیرت صحیح ثابت ہوتی تھیں۔ خلافت عباسیہ کے دور میں اس علم کو کافی فروغ ہوا۔ انھوں نے بغداد میں اسکے مطالعہ و مشاہدے کے لئے ایک رصدگاہ تعمیر کی حقیقت یہ ہے کہ تاریخ انسانی کے ہر دور کا انسان اپنی ذہنی و فکری سطح کے اعتبار سے اتنا ہی متمدن اور ترقی یافتہ تھا جتنا کہ موجودہ دور کا انسان۔ لیکن اس سب کے باوجود کسی نے وجود باری تعالیٰ کا انکار کیا کسی نے اپنے علم کو حرف آخر نہیں سمجھا لیکن اس دور کا مقتضیٰ ہے کہ موجودہ انسان علم و سائنس کے ارتقاء کی آڑ میں خدا کی ذات سے انکار کر رہا ہے۔ لیکن اگر تاریخ کی روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جائے تو اسکی اصلیت پر دوسرے ہی عوامل کارفرما نظر آتے ہیں۔

یورپ میں عقلیت کا آغاز اور ارباب کلیسا سے تصادم

پندرہویں صدی عیسوی میں یورپ میں عقلیت کا آغاز ہوا اور انھوں نے کائنات اور مظاہر کائنات کا مطالعہ تحقیق و تدقیق اور تحلیل و مشاہدہ کے ذریعہ شروع کیا جسکے نتیجہ میں تقلید کے بندھن ٹوٹنے لگے تو مذہب اور ارباب کلیسا کے درمیان فکری اختلاف پیدا ہوا جو ایک عظیم کشمکش اور تصادم پر منتج ہوا اور ان کے مابین جو چیز وجہ مخاصمت بنی وہ ارباب اور اہل مذہب کی مذہبی ہٹ دھرمی اور کورانہ تقلید تھی۔ یا اصل میں درحقیقت کتاب خدا تھی وہ انسانی دست درازیوں سے محفوظ نہ رہ سکی تھی بلکہ انسانی علوم کا آمیزہ بن کر رہ گئی تھی۔ اس میں تحریف الفاظ و تحریف ہی پر اکتفا نہ کیا گیا تھا بلکہ اس دور کے جغرافیائی علوم طبیعی، فلکیاتی نظریات و اصول اور تاریخی مسلمات اور تحقیقات کو مذہبی رنگ دیکر ان کو دینی تعلیمات و اصول کا درجہ دیدیا گیا تھا اور ان جغرافیائی حقائق کو جن کی کوئی آسمانی سند نہ تھی ان کو جغرافیہ مسیحی Christian geography کا نام دیا گیا تھا۔ وہ نظریات سائنسدانوں کے مطالعہ اور تجربہ سے ایک ایک کرکے ٹوٹنے لگے تو ارباب کلیسا کو اپنی حکومت و اقتدار کی چولیں ہلتی ہوئی محسوس ہوئیں تو انھوں نے عقلیت پسند طبقہ کی اس تحریک کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی مشہور اور نامور مفکر عالم و ادیب علامہ اپنی کتاب مغرب کی میں مشرق و مغرب کی کشمکش میں لکھتے ہیں۔

> "جب مغرب نے نظریات کا مطالعہ مشاہدہ تجربہ
> اور تحلیل کے ذریعہ شروع کیا تو ارباب کلیسا کے ہوش اڑ گئے
> ادھر عیسائی علماء کو یہ خوف پیدا ہوا کہ ارباب کلیسا کی
> حکومت کا خاتمہ۔ چنانچہ مغرب میں اس دور کا آغاز
> ہوا جس میں بڑے بڑے سائنسدانوں کو جو عالم
> طبیعی کے دائرہ کے اندر تحقیق کر رہے ہوتے تھے قتل کر
> دیئے جاتے تھے۔"

یورپ میں اس وقت کائنات کے سلسلے میں دو متضاد نظریات پائے جاتے تھے ایک "ارسطو" کا نظریہ جس کے مطابق زمین ایک چپٹی سطح ہے۔ زمین ساکت ہے چاند سورج اور دیگر ستارے اور سیارے متحرک ہیں اور اس میں زمین کو مرکزیت کا مقام حاصل ہے اور دوسرا ارسٹارکس کا نظریہ تھا جس کے مطابق زمین متحرک ہے اور زمین چاند اور دوسرے سیارے سورج کے گرد گھوم رہے ہیں ارسٹارکس کے مقابلہ میں ارسطو کا نظریہ زیادہ مشہور ہوا اور در

ہوا، اصل یہ ہے بڑی تھی کہ اس نظریہ کے مطابق زمین کو مرکزیت کا مقام حاصل رہا تھا اور (نعوذ باللہ) "مسیح ابن اللہ" کی جائے پیدائش تھی۔ مستزاد یہ کہ ارباب کلیسا نے اس مقبول نظریہ کو بائبل میں درج کر کے اسے من جانب اللہ قرار دے دیا اور اسکے انکار و تردید کو عیسائیت کے انکار و تردید کے ہم معنی سمجھا گیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی" میں لکھتے ہیں..... "بائبل انسانی تحریف و اجتہاد سے نہ بچ سکی اس میں علوم کے مشہور و مقبول حقائق و نظریات شامل ہو گئے۔ اس کی رو سے دنیا کی عمر کچھ ہزار سال ہے، زمین ایک چپٹی سطح ہے، سورج، چاند اور ستارے متحرک ہیں، زمین مرکز کائنات ہے اور باقی تمام اجرام فلکی اور غیر فلکی اسکے تابع ہیں، زمین کی دوسری طرف آبادی کا ہونا محال ہے"....

امر واقعہ یہ ہے کہ ارباب کلیسا کی یہی وہ سب سے بڑی غلطی تھی جو تاریخ کی ایک عظیم کشمکش کا باعث بن جاتی ہے جب کوپرنیکس، گلیلیو اور دوسرے سائنسدانوں نے اپنے مشاہدے اور تحقیق کی بنا پر ارسٹارکس کے نظریات کی تائید کی اور انکو علمی انداز میں ثابت کیا تو کلیسا میں کھلبلی مچ گئی، اور انھوں نے دوسرا جبر و تشدد اقدام یہ کیا کہ اس تحریک کو دبا دیا جائے اور ان بے بنیاد نظریات کو منوانے کے لیے جو علم و تحقیق سے غلط ثابت ہو چکے تھے، جبر و تشدد سے استعمال کیا، اس کے انکار پر کفر کا فتویٰ صادر کر کے انھیں قتل کرنے اور جلانے کا حکم دے دیا۔

انہیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت و طبیعات کا مشہور عالم برونو (Bruno) بھی تھا جسکو اس جرم کی پاداش میں زندہ جلا دیا گیا تھا کہ وہ اس کرۂ ارضی کے علاوہ دوسری دنیاؤں کے آباد ہونے کا بھی قائل تھا۔

اسی طرح مشہور نامور سائنسدان گلیلیو (Galileo) کو صرف اس بنا پر سزائے موت دی گئی تھی کہ وہ زمین کی سورج کے گرد گردش کا قائل تھا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں مذہب و عقلیت کی کشمکش کے عنوان سے تحت لکھتے ہیں۔

"اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ میں عقلیت کا کرہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبیعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے انھوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جو جغرافیہ، تاریخ اور طبیعیات سے متعلق ان مذہبی کتابوں میں پائے جاتے تھے اور پوری جسارت اور آزادی کے ساتھ ان کی علمی تنقید کی اور بے سوچے سمجھے ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے علمی اکتشافات اور تجربوں کا بھی اعلان کر دیا۔ اب کیا تھا مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہو گئی۔ ارباب کلیسا نے جو اقتدار اور طاقت کے مالک تھے انکی تکفیر کی اور دین مسیحی کیلئے انکے خون بہانے اور انکے مال و متاع ضبط کر لینے کی اجازت دیدی۔ مذہبی عدالتیں قائم ہوئیں جو بقول پوپ کے "ان ملاحدہ اور بے دینوں کو سزا دیتی ہیں جو شہروں، گھروں، تہ خانوں، جنگلوں، غاروں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں" ان عدالتوں نے اپنا فریضہ پوری سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا ـــ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس عہد نے جن لوگوں کو سزا دی انکی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں جن میں بتیس ہزار کو زندہ جلا دیا گیا" صفحہ ۲۳۲ ـ ۲۴۰

بالآخر عقلیت پسندوں اور روشن خیالوں نے مذہب اور اہل مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا جس میں اہل مذاہب کو منہ کی کھانی پڑی۔ لیکن انسانی زندگی پر اسکے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے کہ اس تصادم اور کشمکش کا جو نتیجہ سامنے آیا وہ تھا کہ لوگوں کو مذہب ہی کے نام سے چڑ پیدا ہو گئی اور ارباب کلیسا کے اس وحشیانہ اور جابرانہ طرز عمل کا رد عمل سامنے آیا وہ یہ تھا کہ جنھوں نے علم اور مذہب کو دو متضاد چیزیں سمجھ کر یا الحاد پر مبنی خدا ہی کے وجود سے انکار کر دیا۔

تجدد پسند مغربیوں کی عجلت

یہ امر واضح ہے کہ یہ انکار خدا اور مذہب

عقلیت پسندوں اور تجدد پسندوں کا ایک جذباتی عمل تھا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان عقلیت پسندوں اور روشن خیالوں کے ذہن و دماغ پر مذہب سے نفرت و بغاوت کا جذبہ اس قدر مستولی اور غالب تھا کہ انھیں اس بات کا قطعاً ہوش نہ رہا کہ وہ کھلے دل و دماغ اور عقل و شعور سے کام لیں اور مذہب اور خدا کے بارے میں اس تعجیلت سے کام نہ لیں بلکہ سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کے بعد کوئی فیصلہ کریں لیکن اہل کلیسا کے خلاف نفرت و بغاوت اور عناد و عداوت نے انھیں یہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا اور وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ مغرب مادیت کا شکار ہو گیا اور جو چیز بھی مذہب کے نام پر آئی انھوں نے اس کا انکار کر دیا اور عقل علاوہ تحقیق نے کائنات پر اس طرح سے غور و فکر اور تحقیق و تدقیق شروع کی کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں۔ انھوں نے کائنات اور مظاہر کائنات کی توجیہ میکانکی انداز میں کی۔

نیوٹن کے قانون تجاذب اور علم حرکت کا ارتقاء

انیسویں صدی میں نیوٹن کے دریافت کردہ قانون تجاذب اور علم حرکت کے رہنما اصولوں کی بنیادوں پر علم و سائنس نے کافی ترقی کی اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ اب سائنس نے مذہب اور خدا کا مقام حاصل کر لیا ہے۔ جدید فلسفہ کے ماہر اور اسلام آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نیوٹن کے قانون تجاذب اور علم حرکت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"نیوٹن کی میکانکس کا ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ اگر کسی شے کی موجودہ حالت معلوم ہو تو اس کی سابقہ یا آئندہ حالت قطعی طور پر متعین ہو جائے گی اور بعض قوانین حرکت کی بنا پر علم ریاضی کی مدد سے ازل سے ابد تک اس شے کی تمام حالتوں کی پیش بندی کی جا سکے گی۔

میکانکس کا یہی مسئلہ تھا جو مادہ پرستوں کے لیے حکم فیصل کا کام دیتا تھا اور جس کی بنا پر وہ کسی خالق کائنات کے تصور کو غیر ضروری قرار دیتے تھے کیوں کہ ان کے نزدیک کائنات کی ہر حالت پہلے سے متعین ہے اور وہ اس کے مطابق خود بخود تشکیل پاتی چلی جا رہی ہے۔"

مذہب اور سائنس ص ۳۰۴

مولانا عبد الباری ندوی اپنی کتاب مذہب و عقلیات میں اس پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"اس مادہ اور قوت کے بندھے ٹکے مقررہ طریق عمل اور اصولوں کا نام فطرت (Nature) اور قوانین فطرت (Laws of nature) ہے۔ ساری کائنات ارضی و سماوی اس مادہ اور اس کے قوانین فطرت کی پیداوار ہے۔ اس کے علاوہ یا ماسوا کسی مستقل وجود صاحب خلق و ارادہ ذات یا خدا کی قطعاً احتیاج نہیں۔ قوانین فطرت خود بخود خدا کی مداخلت کے بغیر ہی سب کچھ کر لیتے ہیں۔"

ان اصولوں کا اطلاق نہ صرف روئے زمین پر پائے جانے والے آثار و مظاہر پر کیا گیا بلکہ اس کو مزید وسعت دے کر نظام شمسی اور دیگر مظاہر کائنات پر بھی اس کا اطلاق کیا جانے لگا اور صرف طبیعی علوم ہی نہیں بلکہ حیاتیاتی علوم میں بھی اس کے انطباق کو ممکن بنانے کی کوشش کی گئی تھی کہ انسانی اعضاء و جوارح اور دل و دماغ کی توجیہ بھی اسی میکانکی انداز پر کی گئی لیکن چونکہ مغربی مفکرین محققین عقل و شعور علم و ادراک اور محسوس و مادیت کے ماسوا کسی اور چیز کو ماننے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے بلکہ ہر اس چیز کو یک جنبش قلم مٹا دینے کے درپے تھے جو مذہب و خدا کے نام سے اور مابعد الطبیعی ذرائع سے آئے اس لیے انھیں قدم قدم پر نوع بنوع مسائل اور غیر محدود مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

انسانی علم کے ذرائع اور ان کی حیثیت

مذہب اور خدا کے انکار کے بعد انھوں نے اپنے علم و عقل کو رہنما بنایا لیکن یہ انسان کی خام خیالی ثابت ہوئی۔ انسان کے پاس علم کے حصول کے جو سب سے بہتر ذرائع

ذرائع ہیں وہ حواس خمسہ (five senses) ہیں لیکن انکی بھی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ وہ ادراک و محسوسات ہی تک علم کا ذریعہ بن سکتے ہیں جبکہ اسکو بھی یقینی علم نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں تک عقلیات کا تعلق ہے۔ وہ بھی بے بس ہی ہے۔ وہ علوم و ادراک اور محسوسات کو سامنے رکھ کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ جو چیزیں ہمارے علم و ادراک میں ہوں وہ صحیح ہوں یا اس کو ہی کو بنا کر جو کلیے اور اصول اخذ کیا جائے وہ سو فی صدی صحیح ہو۔ کیونکہ ہمارے محسوسات بھی ایک معین اور مخصوص دائرہ کے اندر رہکر ہمارے علم کا ذریعہ بنتے ہیں اس لئے وہ کبھی تو بالکلیہ غلط ہوتے ہیں اور کبھی ناقص اور اس سے حاصل ہونے والا علم وقتی، عارضی اور غیر مکمل ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا اور ارتقائی اور تدریجی ہونے کے نتیجہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس صورت میں علم اور عقل کو رہنما کیسے بنایا جا سکتا۔

یہ تو مادی اجسام کا حال ہوا جو ہمارے ادراک و محسوسات سے بالواسطہ یا بلا واسطہ متعلق ہیں لیکن اس عالم ماديات کے علاوہ بھی ایک عالم ہے جو اس عالم سے کہیں زیادہ بڑا ہے اور جس کے اثرات ہمارے ادراک و محسوسات پر غیر شعوری طور پر مرتب ہوتے رہتے ہیں، وہ نہ صرف ہمارے علم و ادراک سے باہر ہے بلکہ انسان ابھی تک اٹکل پچو کے سوا علم مابعد الطبیعیات کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں رکھتا۔ یہ ایک الگ سوال ہے کہ ان سب کے اندر انسان کو اپنی حقیقت اور حیثیت کا بھی علم نہیں۔ اس سوال پر آج عقل حیران ہے۔ مولانا عبدالباری ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ "عقل کو خود اپنی گرہ کی عقل نہیں" دیا تھی اور فلسفہ کا ماہر بلیز پاسکال (Blaise Pascal) انسان کی اس عجیب و غریب معمہ بازی کو دیکھکر بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

"انسان کیا ہی عجیب مخلوقہ واقع ہوا ہے کیا ہی انوکھی کیا ہی مجموعہ اضداد، کیا ہی نادرہ روزگار، ساری چیزوں کا حاکم، زمین کا ایک حقیر کیڑا، سچائی کا تحویلدار بے یقینی اور غلطی کی نالی کائنات کی آبرو بھی اور رسوائی بھی۔" فلاسفی اینڈ ماڈرن سائنس مولانا سید اور سائنس مسٹر اٰل

ڈاکٹر کارل (Alexis Carrel) اپنی کتاب انسان نامعلوم (The Unknown Man) میں لکھتا ہے:

"گو یا ہمارے پاس دنیا بھر کے علماء سائنس و فلسفہ اور اشراقیہ یا سریت (Mystics) کے فراہم کردہ معلومات و مشاہدات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے تاہم خود انسانی ذات و حقیقت کے صرف چند پہلو تک گرفت میں آ سکے ہیں پوری طرح انسان کو ہم نے نہیں جانا ہے۔ بس کچھ پراگندہ یا الگ الگ اجزاء کا اسکو ایک معجون مرکب بنا رکھا ہے اور یہ اجزاء بھی خود ساختہ ہیں۔"

حوالہ مذکورہ

ایک دوسرا عظیم اور نامور سائنس داں (A.W. Haslett) اپنی کتاب سائنس کے نا حل مسائل (Unsolved Problems of Science) میں [illegible] کو سب سے بڑا لاینحل مسئلہ قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے۔

"سائنس داں کسی بحث و مسئلہ میں اس سے زیادہ عاجز و درماندہ نہیں جتنا خود انسان کے معاملہ میں وہ ایٹم کو توڑ سکتا ہے بعید سے بعید ستاروں کی روشنی کی تحلیل و تجزیہ کر سکتا ہے وہ بجلی کو غلام بنا سکتا ہے لیکن یہی سائنس داں جب زندگی کی حقیقت اور اس سے بڑھکر خود اپنی یا انسان کی حقیقت سمجھنا چاہتا ہے تو مشکلات ہی مشکلات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ زندگی خواہ یا [illegible] (Experience) [illegible] (combined) کی شکل ہے۔ [illegible]" (حوالہ مذکورہ)

انسانی عقل وفہم کی ناکامی

انسانی عقل و فہم کے ناقص اور مشتبہ ہونے کے سب سے بڑی دلیل خود نیوٹن کے وضع کردہ اصول و کلیات ہیں جس کے بارے میں سائنس دانوں کا گمان یہ تھا کہ طبیعیاتی علوم میں نیوٹن کے قطعی اور حرف آخر ہیں مشہور اور نامور ریاضی داں لاپلاس نے تو

یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "اس کائنات کی میکانکس ایک ہی ہو سکتی ہے اور اس میکانکس کو نیوٹن نے دریافت کر لیا ہے۔"

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انیسویں صدی میں نیوٹن کے اس اصولوں کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ صرف طبیعیات ہی نہیں بلکہ حیاتیاتی علوم میں بھی ان کو منطبق کیا جانے لگا۔ اس وقت کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ یہ اصول غلط ثابت ہوں گے۔ لیکن عین اس وقت جب کہ نیوٹن کے اصولوں کی بنیادوں پر علم طبیعیات اپنے عروج و کمال پر تھا۔ پے در پے ایسے علمی انکشافات ہوئے۔ جس نے قانون تجاذب اور علم حرکت کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔ پروفیسر آئن سٹائن اور پروفیسر ہائزن برگ نے کوانٹم اور اضافیت کے نظریات پیش کئے، جو جلد ہی نیوٹن کے قانون تجاذب کی جگہ استعمال کئے جانے لگے۔

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین، وائس چانسلر اسلام آباد یونیورسٹی)

اس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لیکن کوانٹم اور اضافیت کے نظریوں کی بناء پر پروفیسر ہائزن برگ نے ۱۹۲۷ء میں یہ بتایا کہ مظاہر فطرت میں تعیین یا جبر نہیں ہے بلکہ عدم تعیین یا آزادی رونما رہا ہے۔ اس کے بعد سے طبعی سائنس کا عام قانون یہ ہے کہ صرف کائنات بلکہ اس کے کسی حصہ یہاں تک کہ کسی ایک ذرہ کا بھی مستقبل متعین نہیں۔ بلکہ وہ کئی ممکن حالتوں میں سے کوئی ایک حالت اختیار کر سکتا ہے۔"

پہلے عقل و فلسفہ کی جن باتوں کو سچا خیال کیا گیا وہ غلط، وہ اصول جو طبیعیات کے سلسلے میں بنیادی اہمیت کے حامل تھے جن کو سائنسدانوں نے قطعیت کی سند دی تھی۔ وہ انتہائی بودے کمزور اور بے بنیاد ثابت ہوئے۔ جیسے کہ ریت کی دیوار۔

یہ بات صرف قانون تجاذب، علم حرکت اور فلسفہ علت و معلول ہی کی حد تک محدود نہیں۔ بلکہ علم و سائنس کی دنیا میں روزمرہ کے معاملات و مشاہدات میں عقل و فہم قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی اور محسوسات و مشہودات سے بے بنیاد نتائج اخذ کرتی نظر آتی ہے۔ مابعد الطبیعیات تو در کنار انسانی عقل و فہم خود عالم شہادت و محسوسات میں بے بنیاد اور مضحکہ خیز تصورات قائم

تو انسانی عقل بالکل قریب اور جانی پہچانی چیزوں کو چھوڑ کر ایسی خلاف عقل دنیا میں جا پہنچتی ہے۔ جن کو معمولی عقل و دماغ رکھنے والا آدمی بھی غلط کہہ اٹھتا ہے۔

"سائنس نے اس کو پوری طرح واضح و ثابت کر دیا ہے کہ اس عالم شہادت یا ظاہر کے پاٹ میں پائی جانے والی طبعی حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے جس کو ہم اب سمجھتے تھے۔ جن چیزوں کو ہم حقیقی خیال کرتے تھے، وہ محض انسانی ذہن کی پرداختہ نکلیں۔ جس حقیقت کو ہم زمان (Time) اور مکان Space سے تعبیر کرتے ہیں وہ ایک ایسی ناقابل تصور شے ہے جس کو صرف عالم ریاضیات ہی بیان کر سکتا ہے۔"

(کورٹ لاتی آف ماڈرن طبیعیات حصہ ۳ [illegible])

سائنس کا مقصد اور اسکی حقیقت

انیسویں صدی کے اواخر تک لوگوں کا عام رجحان یہی تھا کہ سائنسی تحقیقات وحی و الہام کا درجہ رکھتی ہیں اور سائنس کی جہت سے جو بھی انکشاف کیا جائے اس کو آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا جائے۔ اور سائنس دان بھی اس گمان میں چور تھے کہ انہوں نے تسخیر کائنات کی کنجی پالی ہے۔ لیکن انہیں جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ درحقیقت سائنس دانوں نے علم و سائنس کے جن اصول و کلیات کو بنیاد بنا کر آغاز و مظاہر کائنات اور اشیاء عالم محسوسات کی تحقیق و تدقیق شروع کی وہ انسانی ذہن کے خود ساختہ و پرداختہ مفروضے اور بے بنیاد و مضحکہ خیز تصورات بلکہ کچی دیوار کے مثل ثابت ہوئے۔ نیوٹن کے قانون تجاذب اور علم حرکت کے بے بنیاد ثابت ہو جانے، کوانٹم اور اضافیت کے نظریات پیش کئے گئے۔ لیکن نظریہ کوانٹم میں بھی متعدد خامیوں اور غلطیوں کا انکشاف ہوا۔ تو لوگوں کا ایمان سائنس سے اٹھنے لگا۔ تو پروفیسر ہائزن برگ اور ڈیراک نے نئی کوانٹم میکانکس کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ غلطیاں اس وجہ سے ہو رہی ہیں۔ کہ سائنس کا

مقصد اور اس کا طریقہ کار صحیح طور پر متعین کیا گیا ہے۔ سائنس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ مظاہر فطرت کی اصلی اور آخری ماہیت اور حقیقت معلوم کرے۔ بلکہ سائنس کا کام صرف یہ ہے کہ ان اشیاء اور مظاہر میں باہمی ربط اور تعلق کا پتہ چلائے۔ مثال کے طور پر ڈیک نے کہا۔ کہ سائنس میں یہ سوال کرنا بے معنی ہے کہ برق کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ بلکہ صحیح سوال یہ ہوگا کہ قوت برق کا عمل کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بیسویں صدی میں انسان نے علمی وفکری لحاظ سے بے پناہ ترقیاں کی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ انسان کے علمی و سائنسی دلائل اور فلسفیانہ طرز استدلال ایک فریب نظر اور ذہنی اپج کے سوا کچھ بھی نہیں بلکہ یہ کہا جائے تو بجا نہ ہوگا ان فلسفیانہ موشگافیوں کی حقیقت اس لال بجھکڑ کی بجھوّل سے زیادہ نہیں جس نے گاؤں کے راستے پر ہاتھی کے پیروں کے نشانات دیکھ کر کہا تھا کہ

لال بجھکڑ بوجھ گئے اور نہ بوجھا کوئی
پاؤں میں چکی باندھ کے ہرن کودا ہوئی

عالم مابعد الطبیعیات تو درکنار خود عالم محسوسات کی اشیاء اور آثار و مظاہر کی طبیعت و فطرت (Nature) تک سائنس کی رسائی نہ ہو سکی۔ میرا یہ دعویٰ بے معنی نہیں۔ بلکہ میرے اس دعویٰ کی توثیق ایڈنگٹن Eddington جیسا عظیم و نامور سائنس داں کرتا نظر آتا ہے۔

"سائنسی تحقیقات اشیاء اجسام محسوسات کی کسی اندرونی و ذاتی اور لاینفک خاصیت یا ماہیت و نوعیت Nature کا پتہ نہیں لگا۔"

ایک دوسرا سائنس داں (A.W. Haslett) اپنی کتاب (Unsolved problems of science) میں لکھتا ہے
"غرض سائنس کی انتہا بھی صرف اتنا ہی بتلاتی ہے۔ کہ چیزیں کیسے عمل کرتی ہیں۔ نہ یہ کہ بذات خود اپنی حقیقت میں کیا ہیں؟ لازماً غریب سائنس مذہب کے بارے میں کیا دعوے کر سکتی ہے۔"

سر جیمس جینز Sir James Jeans اپنی کتاب The mysterious universe میں لکھتا ہے۔

"اس کائنات کی جو ہماری زمین کو خلا میں گھیرے ہوئے ہے۔ اگر ہم اس کی ہیئت اور مقصد معلوم کرنے کی کوشش کریں تو ہمارا پہلا تاثر خوف اور وحشت کا ہوگا۔"

سائنسدانوں کی اس بے بسی کا اندازہ کرتے اور ان کی درماندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد جولین ہکسلے نے کیا خوب کہا ہے۔

"سائنس کسی چیز کی مکمل توجیہہ نہیں کر سکتی۔ اور نہ اس کے سارے اسباب اول سے آخر تک بتائے جا سکتے ہیں۔ کیوں کہ انسان کا ذہن سے اعلیٰ علم اعلیٰ اشیاء سے چند قدم آگے نہ بڑھ سکا۔"

مذہب اور سائنس ایک نقطہ پر

اہل کلیسا سے کشمکش اور تصادم کی بنا پر عقلیت پسندوں اور روشن خیالوں نے علم و سائنس کی بنیادوں پر مذہب پرستوں کے لئے جو دام بچھایا تھا۔ وہ خود اس کا شکار ہو گئے۔ عقلیت پسندوں نے انکار خداوندی و مذہب دشمنی کی جو فضا تیار کی تھی۔ وہ کائنات اور مظاہر کائنات کی غور و فکر اور تحقیق و تدقیق کے نتیجہ میں خود بخود خدا پرستی اور مذہب پرستی میں تبدیل ہو گئی۔ یہ کوئی بائبل کی طرح خدا کی طرف منسوب کیا ہوا انسانی کلام نہ تھا جس کے غلط ثابت ہونے سے کلیسائی عتاب ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل کلیسا سے تصادم اور کشمکش صرف اس بنا پر ہوا تھا کہ کلیسا نظام تقلید جامد کی دعوت دیتا تھا۔ اور عقلیت پسند تجربہ و مشاہدہ اور تحلیل و تجزیہ کے قائل تھے۔ اس لئے جب انہوں نے کائنات پر غور و فکر شروع کیا تو اس وقت ان کے ذہنوں پر مخالفانہ جذبات اس قدر مستولی تھے۔ اور خدا اور مذہب کے نام سے اس قدر بیزاری تھی۔ کہ جو نظریہ بھی پیش کیا گیا۔ اس میں اصل بات کا خیال

طور پر نمایاں کیا گیا۔ وہ کسی مابعد الطبیعی اور ماورائی تصور سے یکسر خالی ہو۔ لیکن جب آہستہ آہستہ مخالفانہ جذبات سرد پڑے۔ تو خود بخود مذہب اور خدا کے لئے راہیں کھلتی چلی گئیں۔ فلسفہ جدیدہ کے ماہر ڈاکٹر رفیع الدین اس باب میں تحریر کرتے ہیں۔

"بہر حال جب مادیت اور دہریت کے پرستاروں کا وہ عذر جو انھوں نے سائنس کی بنیاد و دعا پر قائم کیا تھا۔ ٹوٹ گیا۔ تو پھر کائنات کی حقیقت پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے بمصداق کار قوانی شد ناچار مسلمان شد خدائی ہستی پر ایمان لانے کے لئے کوئی راہ باقی نہ رہ گئی اور کم از کم ایک ہمہ گیر آفاقی ذہن universal mind کو تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا۔

(مقدمہ مذہب و سائنس از ڈاکٹر رفیع الدین)

نیوٹن کی میکانکس کی روشنی میں علت و معلول یا قانون علیت کا جو نظریہ پیش کیا گیا تھا یعنی کائنات کا ایک ایک ذرہ اس قانون علیت سے اس طرح بندھا ہوا ہے کہ وہ اپنے کام کے لئے مجبور ہے۔ لیکن جدید سائنس نے اس نظریہ کا بخیہ ادھیڑ کر رکھ دیا گیا۔ اور آئن اسٹائن نے یہ ثابت کر دکھایا کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی مستقل و متعین نہیں ہے۔ بلکہ وہ کئی ممکن حالتوں میں سے کوئی حالت اختیار کر سکتا ہے۔ تو اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ ایک اختیار و ارادہ والی ذات کی کارفرمائی کو تسلیم کریں۔ مشہور سائنسدان ایڈنگٹن نیوٹن کے نظریات کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتا ہے

"کائنات کا وہ نظریہ جو کشش جیسے ان دیکھے قانون کی کارفرمائی کو مانتا ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ سائنسی ہوتا ہے جو وحشی انسان ہر اس چیز کو جس کو وہ کچھ پراسرار پاتے ہیں ان دیکھے دیوی دیوتاؤں Demons کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ ایڈنگٹن نیوٹن کا مذاق اڑانے پر کیوں آمادہ ہوا۔ اس کا جواب بھی سائنس ہی کی زبان سے سنتے چلیے۔

"اس کی بے پایاں وسعت، ناقابل تصور فاصلے، عظیم دنیائیں میں نہ سمانے والی سحابیں، سورج اور ستاروں کے افسانوی قد و قامت وہ دوسرے سرے پر لا انتہا صغر یا چھوٹا پن کا یہ عالم کہ ایک سالمہ ویسا ہی ناقابل تصور حد تک چھوٹا ہے جیسا کہ سحابیہ ناقابل حد تک بڑا۔ پانی کے ایک قطرہ میں اربوں کھربوں سالمات پائے جاتے ہیں۔ پھر اس سالمہ کے اندر اس سے بھی چھوٹے چھوٹے الیکٹران یا برقی ذرات ہوتے ہیں۔ جن کے پاس ایسی ہی عظیم خلائیں یا فاصلے پائے جاتے ہیں جیسا آفتاب اور اس کے سیاروں کے مابین۔ پھر سالمہ کے بجائے خود اتھاہ تنگ اور فراخ دنیا کے اندر عقل کو دہلا دینے والا ایک مسلسل ڈرامہ جاری ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مادہ پرست اور مذہب بیزار شخص بھی صحیفۂ فطرت حیرت انگیز صناعی اور کائنات کی توازن و یکسانیت اور حد درجہ پیچیدگی کو دیکھتا ہے۔ اور انسانی ذہن جب فلکیاتی کائنات کی وسعتوں، پہنائیوں اور بے شمار دائرہ و شمار کا اندازہ کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ تو بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

"Oh God how marvellous are thy work"

سر جیمز جینز بھی اس حقیقت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہتا ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات کے پس منظر میں کوئی لامحدود قوت و ارادہ والی ہستی کا ہاتھ کارفرما ہے۔ اور اس کا اظہار ان لفظوں میں کرتا ہے۔

"اس کی بنی ہوئی کائنات ایک رفیق اور ماورا الادراک کاریگری سے عدل و توازن پیدا ہو گیا ہے۔"

ایک انگریز مفکر فرانسس بیکن نے آج سے تقریباً تین صدی قبل اس حقیقت سے پردہ اٹھایا تھا۔ اور بڑی گہری حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ

"فلسفہ کا سطحی مطالعہ انسان کو الحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن اس فلسفے کی گہرائیوں میں اترا جائے۔ تو آدمی مذہب کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔"

یہی نہیں بلکہ ایک مشہور سائنس دان ہربارڈ نے جدید طبیعیات پر اپنی ایک کتاب کا نام سائنس کے راستے پر "Modern Science on the path of religion" رکھ دیا۔

بقیہ صفحہ ۱۳ پر

اسلامی تہذیب اور رواداری

محمد مسعود عالم القاسمی ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علیگڈھ

رواداری اور تہذیب کا انتہائی گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے۔ کسی تہذیب کو جامع اور مکمل قرار دیئے جانے کا ایک مطلب یہ ہے۔ اس میں رواداری کا کامل تصور موجود ہے کیونکہ رواداری ایک ایسا مظہر حیات ہے۔ جس کے ذریعے انسانی اخلاق اجتماعی برتاؤ (Social behaviour) باہمی معاملات اور معاشرت و اخلاق کے وہ سارے پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔ جو ہر تہذیب کے اجزائے ترکیبی شمار کئے جاتے رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس تہذیب میں رواداری کا جتنا اعلیٰ اور کامل تصور ہو گا وہ تہذیب اتنی قدر بلند اور کامل ہوگی۔ اور جو تہذیب اس اہم عنصر سے خالی ہوگی۔ وہ کبھی کامل نہیں ہو سکتی چنانچہ بعض لوگوں نے تہذیب کو رواداری کا دوسرا نام قرار دیا ہے "ان کے خیال میں " رواداری ہی اصل تہذیب ہے اور دوسری چیزیں اس کی خصوصیات ہیں۔ اگرچہ ہم اس نقطہ نظر سے پورے طور پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ تاہم اس کی جزوی صداقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی تہذیب میں رواداری کا جو تصور ہے۔ وہ دنیا کی دوسری تہذیبوں سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے قرآن کی محکم آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور تاریخ اسلامی کے روشن واقعات سے رواداری کی وسعت و ہمہ گیریت کا آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد کسی صاحب بصیرت شخص کیلئے یہ ممکن نہیں رہ جاتا کہ وہ اسلامی تہذیب کی ہمہ گیری اور اس کی عظمت رواداری کا انکار کر دے۔ مگر یہ قدر افسوسناک بات ہے۔ کہ غیر مسلم دانشوروں اور مغربی مفکروں نے اسلام پر تعصب و عناد میں برا کرتے ہوئے کام لیتے اور خود بینیت (Egocentric) ہونے کے الزامات عائد کئے ہیں۔ ان کی پر زہ سرزنیدوں سے ترک کئے بغیر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان بنیادی تعلیمات کا اجمالاً تذکرہ کیا جائے جن کو بطور اصول کے اسلام پیش کرتا ہے۔

۱۔ اس سلسلہ میں پہلا اور بنیادی اصول انسانی برادری کا ہمہ گیر تصور ہے۔ اسلام کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ پیدائش کے اعتبار سے ان میں کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں۔ سب کا درجہ برابر ہے اور سب آپس میں بھائی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ (الحجرات۔ ۱۳)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے۔ جو تمہارے اندر سب

زیادہ پرہیزگار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

"الا ان ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی" (بیہقی)

"سنو! تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر، اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔"

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق اور مالک ہے اس لئے اس کی نظر میں تمام افرادِ انسان برابر ہیں۔ اس کا کسی سے کوئی ایسا خصوصی رشتہ نہیں جو دوسرے سے نہ ہو۔ اس کی محبت و عداوت، رضامندی و ناراضی کا معیار صرف ایک ہے۔ وہ ہے "ایمان اور عمل صالح"۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے اور اس بنیاد پر عمل صالح کی تعمیر کرتا ہے۔ وہ حقیقت میں خدا کا محبوب بندہ ہے۔ خدا کو مسلمان، یہودی اور نصرانی و مجوسی وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ارشاد باری ہے۔

لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوءا یجز بہ ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا۔ ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا (النساء ۱۲۳-۲۴)

"انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو بھی برائی کرے گا، اس کا پھل پائے گا، اور اللہ کے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا، جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔"

۳۔ تیسرا اصول اس حقیقت پر مبنی ہے کہ تمام انبیاء رسل اللہ سچے اور نیک بندے ہیں، جن کو اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے منتخب کیا ہے اور یہ کہ تمام آسمانی کتابیں خدا کی نازل کردہ ہیں ہم ان سب کو برحق مانتے ہیں۔ اور سب کا یکساں احترام کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔ قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون

(البقرۃ ۱۳۶)

"کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے۔ اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔"

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کی اساس عقیدۂ توحید ہے۔ تو جو لوگ اس سے انحراف کرتے ہیں حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک یا الحاد کی راہ اپناتے ہیں ان کا معاملہ قیامت کے دن کے لئے اٹھا رکھا جائے گا۔ اسلامی ریاست میں کوئی مسلمان اس بات کا مجاز نہ ہوگا وہ محض اختلاف مذہب کی بنا پر ان کی دل آزاری کرے۔ ان کے مقدسات پر حملہ کرے۔ مبادا وہ مسلمانوں کے مقدسات پر حملہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ قرآن نے بڑی شدت سے اس منع کیا ہے۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون (الانعام ۱۰۸)

"جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ ان کو برا نہ کہو کیونکہ اس کے جواب میں نادانی سے ناحق یہ خدا کو گالیاں دیں گے ہم نے تو اسی طرح ہر قوم کے لئے اس کے اپنے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے۔ پھر ان سب

کو اپنے پروردگار کی طرف واپس جانا ہے۔ وہاں ان کا رب ان کو بتا دے گا کہ انھوں نے کیسے عمل کئے ہیں۔

۵۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کیا جائے۔ (وقولوا للناس حسنا)

اور دین حق کی دعوت بھی دی جائے تو اس میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا جائے کہ ہمارا اسلوب و انداز ان کے لئے تنگ دلی اور ہٹ دھرمی کا موجب نہ بن جائے۔ ارشاد ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (النحل ۱۲۵)

اپنے رب کے راستہ کی دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (بیہقی فی شعب الایمان)

"تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اس لئے اللہ کو وہی بندہ پسند ہے۔ جو اس کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

۶۔ چھٹا اصول یہ ہے کہ اختلاف مذہب و عقائد کی بنا پر غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کرنے سے گریز نہ کیا جائے قرآن کریم میں ہے۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (المائدۃ - ۸)

کسی قوم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ انصاف کرو یہ تقوی سے زیادہ قریب ہے۔

۷۔ ساتواں اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو عقیدہ و فکر اور رائے کی آزادی حاصل ہے۔ اس لئے جو شخص خود اپنی بصیرت اور قلب و ضمیر کی کامل آمادگی کے ساتھ ایمان نہیں لاتا اس کو ایمان لانے پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم میں کئی مواقع پر مختلف انداز میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (البقرہ - ۲۵۶)

دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت ضلالت سے ممتاز ہو چکی ہے۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین (یونس - ۹۹) تو کیا تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ مومن ہو جائیں؟

۸۔ آٹھواں اصول یہ ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی نہیں کی جا سکتی۔ قرآن نے قانون جنگ کا ایک مقصد عبادت گاہوں کی حفاظت بھی بتایا ہے۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع (الحج ۴۰)

اگر اللہ بعض کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو گرجا اور معبد مسمار کر دیئے جائیں۔

آخری اصول یہ ہے کہ مسلم کی طرح ذمی معاہد اور غیر ذمی کافر کی جان و مال، عزت و آبرو واجب الاحترام ہے اگر کسی نے ان حدود کا پاس و لحاظ نہ کیا۔ تو اسلامی ریاست اس سے باز پرس کرے گی۔ آنحضور صلعم کا ارشاد ہے

"خبردار جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا۔ یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا۔ یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا۔ اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا۔

(ابو داؤد کتاب الجہاد)

ان اصول کی روشنی میں ایک شخص بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن برتاؤ اور حسن اخلاق کا معاملہ اسلام میں کیا گیا ہے وہ کسی دوسرے نظام تہذیب میں مشکل ہی سے مل سکے گا پھر ایسا بھی نہیں کہ تعلیمات محض کتابوں اور زبانی دعوؤں کی حد تک ہوں اور عملی دنیا میں ان کا کوئی وجود نہ ہو۔ بلکہ پوری اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ کہ اسلامی ریاست نے نامساعد حالات میں بھی اصول رواداری کو نہیں چھوڑا۔ چند تاریخی حقائق کا مطالعہ کرتے چلئے۔

ذمی کے بدلے مسلمان کا قتل

قبیلہ بکر ابن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے

ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروقؓ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ انھوں نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا گیا اور انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ ٹھیک یہی واقعہ عثمان غنیؓ اور عمر ابن عبدالعزیزؒ وغیرہم کے زمانہ خلافت میں پیش آیا مگر ان سب نے یہی فیصلہ کیا۔

یہ الزام بار بار دہرایا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو گرجا اور معابد بنانے کی اجازت نہیں دی گئی مگر یہ بھی ایک غلط ہے۔ حق بات یہ ہے کہ جو خاص مسلمانوں کے آباد کردہ شہر تھے۔ ان میں یقیناً اس کی اجازت نہ تھی۔ لیکن ان شہروں میں جہاں غیر مسلم پہلے سے آباد تھے۔ وہاں اس کی پوری آزادی تھی۔ دو ایک واقعے بطور "مشتے نمونہ از خروارے" ملاحظہ فرمائیے۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو جو حقوق عنایت فرمائے تھے۔ ان کی تفصیل امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھی ہے۔ نجران اور اس کے ماتحت لوگوں کو اپنے اموال، جانوروں، زمینوں اور مذہب کے سلسلے میں حاضر اور غیر حاضر تمام افراد کو ان کے اہل خاندان کو عبادت گاہوں کو تھوڑی یا بہت جو چیزیں بھی ان کے قبضے میں تھیں سب کے سلسلے میں اللہ کی نگہبانی اور محمد اللہ کے رسول کی ذمہ داری حاصل ہوگی اور ان کے اساقفہ میں سے کسی کی اسقفیت تبدیل نہیں کرائی جائے گی۔ اور نہ کسی راہب سے اس کی رہبانیت چھڑائی جائے گی اور نہ کسی کاہن سے اس کی کہانت، ان پر کسی قسم کی ذلت نہیں ڈالی جائے گی۔ نہ ان کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ تنگی میں مبتلا کیا جائے گا۔ نہ ان کی سرزمین کو کوئی فوج روند کر پامال کیا جائے گا۔[1]

محمد ابن قاسم فاتح سندھ کی طرف سے برہمنوں کو جو حقوق عطا کئے گئے۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد بن علی ابن حامد نے لکھا ہے۔

"پس اکابر ملتان برہمنہا را فرمود کہ معبود خود را عبادت کنند و فقرائے برہمنان را باحسان و تعہد تیمار دارند و اعیاد و مراسم بشرائط آباء و اجداد قیام نمایند و صدقات کہ بجہت ایشان در حق برہمنہ معہود اند بر قرار قدیم بدہند۔[2]

اور اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ اسلامی فقہ میں اس کی صراحت ہے کہ اگر کوئی عیسائی ایک گرجا بنانے کی وصیت کر جائے تو اسلامی عدالت اس وصیت کو جائز تسلیم کرے گی۔ اور اگر مسجد بنانے کی وصیت کر جائے تو ناجائز۔"

غیر مسلموں کا اعتماد

یہ واقعہ بھی تاریخ میں محفوظ رہے گا۔ کہ جب مسلمانوں نے جنگ یرموک کے لئے "حمص" کو چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا۔ تو یہ کہہ کر "عیسائیوں سے جو جزیہ اور خراج لیا جاتا ہے۔ اس معاوضہ میں کہ ہم کو دشمن سے بچا سکیں۔ اور اس نازک حالت میں ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے"۔ تمام لوگوں کی رقم واپس کر دی۔ اس پر عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ رو رہے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے "خدا تم کو واپس لائے"۔ اور یہودی توریت کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے "جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔"[3]

اندازہ کیا جا سکتا ہے اس سے کہ یہ جذبہ تھا، جو مسلمانوں

---

[1] کتاب الخراج فی حقوق اہل الذمہ۔
[2] تاریخ سندھ بحوالہ مقالات شبلی اول
[3] الفاروق ص... مولانا شبلی نعمانی

کی بازیابی کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ حالانکہ مقابلہ خود ان کے ہم مذہب سے تھا یقیناً اس کے پیچھے مسلمانوں کا حسن سلوک، نیک رویہ، بے لوث انصاف، سچی محبت اور کامل رواداری کے عوامل کار فرما تھے حتیٰ کہ وہ یہودی جو مسلمانوں کے ”پیدائشی دشمن“ رہے اسلامی رواداری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اسلامی تہذیب غیر اسلامی تہذیبوں کی پناہ گاہ

یہی ایک حقیقت نہیں کہ اسلام غیر اسلامی تہذیبوں کے معاملہ میں انتہائی روادارانہ رویہ اپناتا ہے۔ بلکہ یہ بھی مسلم ہے کہ اسلامی تہذیب نے دوسری تمام تہذیبوں کے لئے بقاء و حیات کا سامان فراہم کیا ہے اور علاوہ اس کے لئے پناہ گاہ رہا ہے ایک مستشرق وی وی بارتھولڈ نے لکھا ہے۔

”قرآن کی پیش کردہ رواداری کی بدولت ان تہذیبوں (کثیر التعداد اور مختلف المزاج تہذیبی عناصر) کو اسلامی اقتدار کے زیر سایہ پھلنے پھولنے کا اس سے زیادہ موقع حاصل تھا جتنا کہ بازنطینی فرمانرواؤں کے زیر حکومت رہ کر انہیں ملتا۔ ع۱

صلیبی جنگیں

رواداری کا یہ تقابلی اور تاریخی مطالعہ ہمیں صلیبی جنگوں اور ان کے اثرات کا تذکرہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ جنگیں اسلام اور مسیحیت کے مابین انتہائی فیصلہ کن اور تاریخی رہی ہیں۔ ان جنگوں نے عالمی تاریخ پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کئے ہیں اور ان میں مسلمان اور مسیحی اقوام دونوں کا جذبہ و جوش اپنی انتہا پر نظر آتا ہے۔ مگر کشت و خون کے ان ہنگامی حالات میں بھی مسلمانوں نے رواداری کا وہ ثبوت دیا ہے کہ دور دور تک اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے برعکس جنونی صلیبیوں کے اندھے تعصب کا تذکرہ کرتے ہوئے خود ایک یورپی مصنف نے لکھا ہے۔

وہ عربوں کو اونچے اونچے برجوں اور عمارتوں کے اوپر لے جا کر نیچے گرا دیتے تھے۔ ان کو آگ میں جلاتے تھے [illegible] اور تہ خانوں سے نکال میدانوں میں گھسیٹتے تھے۔ اور لاشوں کے ڈھیر پر لے جا کر قتل کر دیتے تھے کئی ہفتوں تک مسلمانوں کا قتل عام جاری رہا۔ جس میں مشرقی اور مغربی مورخین کے متفقہ بیان کے مطابق ستر ہزار مسلمان مارے گئے۔ اور یہودی بھی اس قتل عام سے نہ بچ سکے۔ انہوں نے جس معبد میں پناہ لی تھی۔ اس میں صلیبیوں نے آگ لگا دی اور کل کے کل یہودی جل کر خاکستر ہو گئے۔ ع۲

مگر جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں بیت المقدس کو آزاد کرایا۔ تو اس وقت یہاں ایک لاکھ صلیبی جنگجو موجود تھے ان میں عورتوں اور بچوں کے علاوہ ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ سپاہی تھے۔ سلطان نے کسی سے انتقام نہ لیا۔ بلکہ ان کے گرجوں کی دولت و ثروت سے بھی تعرض نہ کیا۔ اس کے باوجود رچرڈ شیر دل نے سلطان سے تاوان اور صلیب اعظم واپس طلب کیا۔ اور سلطان نے اسے واپس نہیں کیا۔ تو رچرڈ نے دو ہزار سات سو (۲۷۰۰) مسلمان قیدیوں کو عکا میں ملا کر تل کے پاس سلطان صلاح الدین کی فوج کے سامنے قتل کر دیا۔ یہ اسلامی تہذیب کی رواداری اور غیر اسلامی تہذیب کی بربریت و سفاکی کا بہترین نمونہ ہے۔

اور مزید یہ کہ ۱۸۲۱ء میں اہل یونان کی بغاوت میں تین لاکھ مسلمان مرد عورت اور بچے [illegible]

ع۱ مسلمانوں کی تہذیب ص ۳۵

ع۲ تاریخ محاربات صلیبی بحوالہ اسلام اور عربی تمدن ص ۲۳۶ ع۳ ایضاً ص ۱۷۲

آبادی تیزی سے ان کے شمالی حصوں کے پر امن مسلمان انتہائی کس مپرسی کی حالت میں تہ تیغ کئے گئے ہے۔

ایک مثال یہ بھی ہے

اس کے برخلاف سنہ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور وہاں کے سرداران جنھوں نے بے چارگی کے عالم میں مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ ان کے قتل کی سازشیں کی تھیں۔ مسلمانوں کی زد میں آ گئے تو بجائے قتل عام کرنے اور پوری آبادی کو تلپٹ کرنے کے رسول اکرمؐ نے "لاتثریب علیکم الیوم" فرما کر عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اور یہ واجب القتل جرم ساتھیوں کے لئے بھی پیغام حیات بن گیا۔ یہاں تک کہ ہندہ اور اس کا حبشی غلام جنھوں نے آنحضور کے چچا جان حضرت حمزہ رضؓ کا مثلہ کیا تھا۔ بھی اس سے محروم نہ رکھے گئے۔

اسپین میں کیا ہوا

ذرا سی دیر کے لئے اندلس کا جائزہ لیجئے جہاں مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت اور ترقی کی۔ وہاں جب مسلمان اقتدار سے بے دخل ہو گئے۔ تو وہاں کی عام مسلم آبادی پر جو مظالم توڑے گئے وہ ناقابل بیان ہیں غرناطہ کے مسلمانوں کو ابتداءً عیسائی بنانے کی ہمہ گیر مہم چلائی گئی پھر عربی زبان ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر ان سے اسلام کے اصول و نظریات، رسوم و رواج اور تہذیبی انفرادیت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ اذیتیں، مشکلات، مصائب اور تعذیب کی ناقابل برداشت سزائیں۔ مزید یہ کہ سنگدلانہ ہوس ان کی جلاوطنی اور دو سو سال کے عرصے میں پانچ لاکھ مسلمانوں کا اسپین سے نکل جانا۔ قہر و جبر اور تشدد و اکراہ کے اس مظاہرہ کرتے ہوئے الٹو کا تصور کر کے عقل ماؤف اور جگر پارہ پارہ ہوا جاتا ہے مگر کیا اس وقت جب کہ مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تھا۔ وہاں کی عوام اور شرفاء کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا تھا اور کیا حکومت کے لوگ اسی طرح زور زبردستی کے ساتھ اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کئے گئے تھے؟ اور کیا اختلاف مذہب کے جرم میں اسی انداز سے ان پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا تھا؟ ان سوالات کا جواب اگر والٹیر جیسا مغربی مصنف بھی دے گا۔ تو یہی کہے گا۔ کہ "جس زمانہ میں عربوں نے اندلس کو فتح کیا تھا۔ تو کسی شخص نصرانی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا"۔ مسٹر آرنلڈ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ کہ "اسلامی رواداری کے اصول اس طرح کے کاموں کی اجازت نہیں دیتے۔ جو ظلم اور عداوت تک جا پہونچیں۔ اس لئے مسلمانوں کا معاملہ دوسرے اہل مذاہب کے طرز عمل سے بالکل برعکس رہا بلکہ مسلمانوں نے دوسرے مذہب کے فرقوں کے ان مظالم کو روا نہیں رکھا جو انھوں نے آپس میں ایک دوسرے پر بار بار محض مذہبی تعصب کی بنا پر کئے تھے" اس لئے کہ ہمارے سامنے تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ مسلمانوں کی رعایا میں جو مختلف عیسائی فرقے تھے۔ ان کے درمیان عدل و انصاف کرنے میں مسلمانوں نے ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ فتح مصر کے بعد عیسائیوں کے یعقوبی فرقہ نے موقع پاکر سابق بازنطینی سلطنت کے عیسائیوں کے کئے ہوئے مظالم کے انتقام میں ان کے املاک اور گرجے ہتھیا لئے لیکن اسلامی حکومت نے پورا پورا انصاف کیا۔ اور قدامت پرست (ORTHODOX) عیسائیوں کی تمام املاک اور سارے گرجے جن جن پر وہ اپنا قانونی حق ثابت کر سکے واپس کر دیا ع۲

ع۱ THE CULTURAL SIDE OF ISLAM. P. 112-

ع۲ من روائع حضارتنا ص۱۳۱ ڈاکٹر مصطفی السباعی

اسلامی تہذیب کی رواداری پر گفتگو کرتے ہوئے مشہور ہسپانوی ۔ اپنی کتاب "سفر مشرق" میں لکھتا ہے ۔

"عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کا باعث ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے ۔ عیسائیوں کو مسلمانوں نے سکھایا ۔ یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے اور کسی کو مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے ۱

الجزائر یونیورسٹی کے استاد گوتھر لکھتے ہیں "یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ عرب فاتحین میں رواداری کی فضیلت بدرجہ اتم موجود تھی ۔ جس کی امید ایک مذہب کے حامیوں سے نہیں کی جا سکتی ۔ عربوں نے اس دین پر انتہائی سختی سے عمل کے زمانہ میں بھی کبھی خون سے اپنے مذہب کی ترویج کو پھیلانے کا تصور نہ کیا ۲

اسکندریہ کا کتب خانہ کس نے جلایا

مغرب کے اندھے مقلدین اور "روشن خیال" مفکرین آج بھی اس الزام کو دہراتے ہوئے کوئی باک نہیں محسوس کرتے کہ کتب خانہ اسکندریہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ عمر فاروقؓ نے جلوا دیا ۳ اس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی تہذیب "علم دشمنی" کی بنیاد پر قائم ہے حالانکہ یہ محض الزام تراشی ہے ۔ اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ مگر خیر سے یہ لوگوں کی درفنطنی ہے جو ہر بات کی تحقیق اور بے فکری کی سند دیتے ہیں ۴ مگر اب یہ دلخراش سانحہ بالکل بے نقاب ہو چکا ہے کہ یہ کتب خانہ فاروق اعظمؓ نے نہیں بلکہ تھیوڈوسیس اور یوتھالیکس کے حکم سے کئی بار جلایا گیا ۔ اور آخری بار حضور صلعم کے مدینہ ہجرت کرنے سے دو سال پہلے جلایا گیا ۵

چنانچہ مسٹر گبن، مکرجی، وائٹ (مشہور مؤرخ) آرتھر گلمین، مکرجیٹن (Mathuo crichton) ڈریپر، لیبان وغیرہ حضرات نے صاف گوئی سے کام لیا اس الزام کو بے بنیاد ٹھہرایا ہے ۔ اور خود ان کے بقول یہ بہتان اسلام پر چھ سو سال بعد تراشا گیا ۔ ۶

لیکن اس حقیقت سے انکار کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ صلیبیوں نے طرابلس کے دار الحکمت کی لاکھ کتابوں کو جلا کر راکھ بنا دیا ۔

مغرب کی علم دشمنی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے جو فرانسیسی مؤرخ کا لوبان نے اپنی کتاب "اسپین اور عربی تمدن" میں ذکر کیا ہے کہ

"کارڈینل کسمنیس نے غرناطہ میں عربی کتابوں کی بڑی تعداد خصوصاً کلام مجید کے نسخوں کو جلوانے کے بعد ۱۵۱۱ء میں عام حکم جاری کر دیا کہ پورے اندلس کی عربی کتابیں برباد کر دی جائیں ۷

مؤرخ کا یہ خیال درست ہے ۔ کہ اگر اندلس میں عربی کتابوں کے لاطینی ترجمے باقی نہ رہ گئے ہوتے تو

حوالہ ۱ ۔ بحوالہ حجۃ الاسلام صفحہ ۱۵۶ مولانا محمد خان نجیب آبادی

حوالہ ۲ ۔ بحوالہ اسلام اور عربی تمدن صفحہ ۱۹ ۔ حوالہ ۳ ۔ ایضاً صفحہ ۹

حوالہ ۴ ۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں "اس کتب خانہ کو خود عیسائیوں نے برباد کیا تھا ۔ اور بڑے بڑے پیشوایان مذہب اس کی بربادی باعث مذہبی سمجھتے تھے ۔ اس وقت تو یہ امر فخر کا باعث تھا ۔ لیکن جب کہ قدر تہذیب و شائستگی کا زمانہ آیا ۔ تو یورپ نے دیکھا کہ اس کے دامن پر بہت بڑا بدنما داغ ہے ۔ اس کے مٹانے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی ۔ کہ یہ الزام کسی دوسری قوم کے سر منڈھا جائے ۔" مقالات شبلی جلد ششم ص ۱۱۰

حوالہ ۵ ۔ بحوالہ اسلام اور عربی تمدن صفحہ ۲۱

مسلمانوں کے علوم و ثقافت کا نام و نشان تک مٹا دیا جاتا۔ یہ تاریخی
حقائق ہیں جو اسلامی تہذیب کی روادارانہ عظمتوں کا معیار متعین کرتے
ہیں اور ان کو چھو کر سلیم الفطرت انسان کسی نتیجہ تک پہونچ سکتا

رواداری یا مداہنت

مذکورہ اسلامی تعلیمات رواداری کا مطلب و
مفہوم بالکل واضح اور متعین کر دیتی ہیں۔ مگر آج کل رواداری کا بالکل
ہی غلط مفہوم لیا جاتا ہے۔ اور اس کو ایسے مبہم تصور کے لئے استعمال
کیا جاتا ہے۔ جس کی اسلام میں قطعی کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا
جائے۔ اب رواداری کا یہی مفہوم بن گیا ہے۔ تو نامناسب
نہیں۔ وہ یہ کہ بیک وقت مختلف بلکہ باہم متضاد تصورات کو درست
قرار دینا۔ ان کو سب کو حق ماننا رواداری کی اصل ہے۔ جتنے مذاہب
ونظریات آئیڈیالوجی (IDEOLOGYS) ہمارے سامنے ہیں
ان سب کے متعلق یہ فیصلہ کر دینا کہ سبھی سیدھی راہ دکھاتے ہیں اور
سبھی برحق ہیں۔ ان سب کا مقام ایک ہے۔

درحقیقت یہ رواداری نہیں مداہنت ہے۔ بلکہ
منافقت ہے۔ ایسا خیال رکھنے والے یا تو تمام نظریات کے حاملین
کو خوش رکھنے کی چاپلوسی میں گرفتار ہیں کہ "باغباں بھی خوش رہے
راضی رہے صیاد بھی" یا یہ کہ ابھی ان پر حق واضح نہیں ہو پایا ہے۔ اور
خیر و شر، حق و باطل، صحیح و غلط کی تمیز ان کے اندر پیدا نہیں ہوئی ہے۔
سچی رواداری یہ ہے کہ ہم صرف اپنے خدا کو برحق جان کر اور مان کر
اس کی پیروی کر کے دوسروں کو دعوت بھی دیں۔ مگر ان سے حسن
سلوک کریں۔ ان کے معتقدات و جذبات کو مجروح کئے بغیر
اور ان کے مذہبی اور اندرونی معاملات میں مداخلت کئے بغیر
ان سے انسانی ہمدردی اور چشم پوشی کا برتاؤ کریں۔

قل یا ایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون
ولا انتم عابدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا
انتم عابدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین (الکافرون)

کہہ دو کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا
جن کی تم کرتے ہو۔ نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس
کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں
جن کی تم نے کی ہے۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو
جس کی میں کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے
میرا دین۔

ولن ترضیٰ عنک الیہود ولا النصاریٰ حتیٰ
تتبع ملتہم قل ان ہدی اللہ ہو الہدیٰ ولئن اتبعت
اہواءہم بعد الذی جاءک من العلم ما لک من اللہ
من ولی ولا نصیر (البقرہ - ۱۲۰)

یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب
تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے
جو اللہ نے بتایا ہے۔ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے
تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی
دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں ہے۔

غیر مسلموں کو خوش رکھنے اور ان سے رواداری کا کرنے
کا جذبہ برا نہیں مگر اسے نہ بھولنا چاہئے۔ ان کی سب سے بڑی خوشی
یہ ہے کہ مسلمان پھر کفر کی طرف لوٹ آئیں۔ ایسا تخیل اور وجود کو۔ جو
رواداری کی جائے گی۔ وہ یقیناً مردود ہوگی

تعلیم اسلام اور مسلمان

سید احمد غازی
(علیگڑھ)

تعلیم کا آغاز اسلام کے ظہور کے ساتھ ہوا چنانچہ پہلی وحی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ یہ ہے "(اے نبی) پڑھئے اس پروردگار کے نام سے جس نے تمہیں پیدا کیا اور انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھئے آپکا پروردگار بہت کریم ہے جس نے انسان کو قلم سے سکھایا جسکو وہ جانتا نہ تھا"[۱] علوم جو اگو اسلام کے ظہور کے ساتھ علم میں وسعت ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی دین اسلام کی علم اولین کی ہے آپ کے ارد گرد طالبان علم نبوت کا ہر لمحہ ہجوم رہتا۔ سفر و حضر، خلوت و جلوت، مسجد و میدان جنگ میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جوان، بوڑھے، بچے، غلام، عورت سبھی چشمہ علم نبوت سے سیراب ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے جن دعاؤں کی تلقین فرمائی انہی میں ایک یہ بھی ہے کہ "اے میرے پروردگار! میرا علم اور زیادہ کر" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو جو اہمیت دی وہ اسلام کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

عقائد کی درستگی، اخلاق کی پاکیزگی، اعمال کی پختگی، اتباع سنت اور احیائے دین کی بلند چوٹی، خدا پرستی، راست گفتاری علم پر موقوف ہے یہی وجہ ہے کہ تعلیم کی اہمیت قرآن کریم و احادیث رسول میں مختلف انداز و عنوان سے بیان کی گئی ہے اور دیگر فرائض کی طرح اسکو بھی فرض شمار کیا گیا ہے حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنے انعامات الہیہ ہوئے انمیں علم کو آپ کیلئے فضل عظیم قرار دیا گیا ہے ارشاد ہے "اللہ نے آپ کو اس چیز کی تعلیم دی جس سے آپ ناواقف تھے اور یہ اللہ کی جانب سے فضل عظیم ہے"[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ اعلان فرما کر دنیا کیلئے دینی علوم و فنون کے دروازے کھول دیئے اور ان کے حاصل کرنے والوں کو جانشین و وارثین انبیاء کے مبارک لقب سے نوازا "العلماء ورثۃ الانبیاء" اور فرمایا بے شک انبیاء درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ علم چھوڑتے ہیں" مزید فرمایا "من سلک طریقاً یلتمس فیہ علماً سهل اللہ لہ طریقاً الی الجنۃ"[۳] اور ایک روایت میں علم حاصل کرنے کو گناہوں کا کفارہ بتلایا گیا ہے "طلب العلم کفارۃ لما مضی" ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تھوڑا سا علم مجلس تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔ تعلیم کی اہمیت و فضیلت پر یہ حدیث بھی دال ہے جو عالم صرف فرض نماز پڑھ لیتا ہے اور اس کے بعد علم کی مجلس میں بیٹھ کر لوگوں کو خیر اور بھلائی سکھاتا ہے اسکو فضیلت اس عابد پر جو دن کو روزے رکھتا اور رات کو نمازیں پڑھتا ہو ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر ہو۔ حضور نے نادار بدر قیدیوں کو حکم دیا کہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور رہا ہو جائیں۔

اسی مسلسل ترغیب و تشویق کا اثر تھا کہ مسلمانوں نے دینی اور دنیوی علوم و فنون کی اشاعت و ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایسے ایسے ماہرین علوم پیدا ہوئے جنکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی مسلمان علم کے پرستار اور علم کے جوگی تھے مستشرقین نے مسلمانوں پر جو علم سوزی کا الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد اور صریح غلط ہے

---

۱ سورہ علق آیت ۱ تا ۵۔ ۲ سورہ نساء آیت ۱۱۳

۳ ترجمہ: "جو علم کے حصول کیلئے راستہ چلے تو اللہ اس کیلئے جنت کا راستہ ہموار کر دے گا"۔

خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں جزیرہ نمائے عرب اور دوسرے مفتوحہ ممالک میں قرآن کی تعلیم کیلئے مدرسوں کا قیام عمل میں آگیا تھا۔ بعد میں ان کے نصاب میں نحو و صرف اور خوشنویسی کو بھی شامل کر لیا گیا۔ عباسی عہد میں یہ ابتدائی مدارس جو عام طور پر مساجد میں قائم کئے گئے تھے۔ مختلف ممالک کے دور دراز گوشوں تک پھیل گئے اور ان مدرسوں میں بچے پانچ چھ سال کی عمر میں داخل کر دیئے جاتے۔ اعلیٰ تعلیم کا پہلا نمایاں ادارہ جو مسلمانوں نے قائم کیا وہ "بیت الحکمت" تھا۔ جسکی بنا ۸۳۰ء میں مامون نے اپنی دینی مملکت کے دارالخلافہ میں رکھی۔ یہ ترجمہ و تالیف کا مرکز تھا اور علم طب کی تعلیم و تدریس کا اہم ذریعہ بھی تھا۔ عام اکیڈمی اور پبلک لائبریری کا کام بھی دیتا تھا۔ لیکن مکمل اکیڈمی ہونے کا شرف "نظامیہ" کو حاصل ہوا جسمیں شافعی فقہ، قرآن اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی جہاں امام غزالی نے کل چار برس درس دیا اور طلباء میں اخلاق حسنہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ علمی مشاغل کے ارتقاء کے نتیجے میں کوفہ، بصرہ، دمشق، بغداد، نیشاپور، حران وغیرہ میں متعدد یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ یہ تمام یونیورسٹیاں مساجد میں چلائی جاتی تھیں۔ سائنس کی تدریس میں مشاہدہ پر زور دیا جاتا تھا جو کہ صحیح سائنٹفک نقطہ نظر ہے۔ سیڈیلو کے قول کے مطابق بغداد میں ابتداء ہی سے سائنٹفک نقطہ نظر کا اہتمام کیا گیا ان کے بنیادی اصول یہ تھے۔

(۱) معلوم سے غیر معلوم کی طرف بڑھنا۔
(۲) کائناتی حوادث کا باریک بینی سے مشاہدہ۔
(۳) جب تک تجربے یا علم اصولوں کی شہادت میں موجود ہو کسی چیز کی صحت کا یقین نہ کرنا۔

اعلیٰ تعلیم کے ان اداروں کے نصاب کی بنیاد علم حدیث پر رکھی گئی تھی چنانچہ حفظ و مہارت پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ قوت حافظہ نے اس حد تک ترقی کی امام غزالیؒ کو تین لاکھ احادیث حفظ تھیں اور امام حنبل کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ایک مرتبہ امام بخاری کا امتحان اسطور پر لیا گیا کہ ان کے سامنے ایک سو احادیث کی اسناد اور متن گڈمڈ کر کے پیش کی گئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب و تشویق کا اثر تھا کہ آج ہم قرآن کی ہزاروں لاکھوں جلدیں، احادیث کے ان گنت صفحات اور فقہ کی بے پایاں کتابیں دیکھ رہے ہیں یہ سب درحقیقت رسولؐ کی سیرت طیبہ کی آئینہ دار ہیں جس میں اسلام اپنی اصلی شکل میں نظر آتا ہے چنانچہ ایک جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کا قول ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس نے مسلمانوں کی طرح فن اسماء الرجال ایجاد کیا جسکی بدولت مسلمانوں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال اور ان کے احادیث کی حفاظت کی غرض کر پانچ لاکھ سے زائد حدیث کے راویوں کو محفوظ کر لیا۔ پھر صرف دینی اور مذہبی علوم و فنون تک یہ بات نہیں ہے تاریخ، جغرافیہ، فلکیات فلسفہ، طب جیسے ہزاروں دنیاوی علوم و فنون میں بھی مسلمانوں نے ترقی کی عباسی دور میں علوم دین کے ساتھ عصری علوم نے ایسی محیر العقول ترقی کی کہ اسکی مثال اس وقت تک تاریخ کے کسی دور میں نہیں، بقول پروفیسر فلپ ہٹی۔

"بغداد کی تعمیر کے تین چوتھائی صدی بعد عربی داں دنیا ارسطو کی اہم فلسفیانہ کتابیں، جدید افلاطونی شارحین کی اہم تحریروں اور گلن کی بہت سی طبی تحقیقات سے واقف ہوگئی اس کے علاوہ ایران اور ہندوستان کی سائنسی کتابیں اسکی دسترس میں تھیں۔ چند دہائیوں میں عربوں نے وہ سارے علوم اپنا لئے تھے جنھیں ترقی دینے میں یونانیوں کو کئی صدیاں لگ گئی تھیں، انہوں نے ہندوستانی علوم بھی اپنا لئے اور ریاضیات، فلکیات اور جغرافیا پر اہم تصانیف ترجمہ کر کے شائع کیں۔ مامون کے دور حکومت میں یہ علمی سرگرمیاں نقطہ کمال پر پہنچیں خود مامون کی گہری علمی اور عقلی افتاد طبع نے اس رجحان کیلئے مہمیز کا کام دیا ۸۳۰ء میں اس نے بغداد میں مشہور آفاقی دارالحکمت قائم کیا جو بیک وقت ایک کتب خانہ، ایک تحقیقی ادارہ اور ایک دارالترجمہ تھا

بڑی کوششوں سے تیسری صدی قبل مسیح میں قائم شدہ کتب
خانہ سکندریہ کے بعد دنیا کا اہم ترین علمی ادارہ ثابت
ہوا جس کے شیخ ابو زید حنین بن اسحاق نے بے شمار یونانی
کتابیں عربی میں منتقل کیں جن میں علم تشریح پر گلین کی کتاب
ذکر ہے جو سات جلدوں میں تھی اصل یونانی کتاب کا
نام و نشان نہیں ملتا۔ ہاں عربی ترجمے کے ذریعہ محفوظ
موجود ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب یورپ
یونانی فلسفہ اور سائنس سے تقریباً نابلد تھا۔ یہ
بھی ایک حقیقت ہے کہ عرب علما ابو سینا اور ابن
رشد کے ذریعہ افلاطون اور ارسطو کے علوم لاطینی زبان
میں پہونچے اور عہد وسطیٰ کے یورپی علوم و فنون پر
فیصلہ کن اثرات چھوڑے۔" لٰہ

علاوہ ازیں مامون نے قیاصرہ روم سے تعلقات
پیدا کئے اور ان کو قیمتی تحفے اور ہدیے بھیجے اور ان کے عوض افلاطون
ارسطو، بقراط، جالینوس اور بطلیموس وغیرہ جیسے فلاسفر یونان کی
ان تمام کتابوں کا ترجمہ کیا اور لوگوں کو ان کتابوں کے پڑھنے کی طرف
رغبت اور شوق دلایا۔

عبد اللہ بن المقفع پہلا شخص ہے جس نے عہد عباسی
میں علم منطق میں شہرت حاصل کی، اس نے ارسطو کی تین منطقی
کتابیں قاطیغوریاس، باری ارمیناس اور انولوطیقا کا عربی میں
ترجمہ کیا علاوہ ازیں اس نے کلیلہ و دمنہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ فن
نجوم، ہندسہ، طب، علم حساب نے بھی خوب ترقی کی۔
امام رازی طبیب، علوم فلسفہ و منطق کا ماہر تھا اس نے سو سے زائد
کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر فن طب میں ہیں اور باقی علوم طبیعیات
و الٰہیات میں۔ فارابی اسلام کا حقیقی فیلسوف تھا وہ تمام اہل اسلام
سے سبقت لے گیا۔

مسلمانوں نے جب اندلس (SPAIN) کو فتح کیا تو وہ
بھی علوم و فنون کی اشاعت کے لحاظ سے بے مثال ہو گیا قرطبہ اور غرناطہ
میں علوم و فنون سے دلچسپی اہل یورپ کا طرہ امتیاز ہے۔

عبد الرحمٰن کا جانشین حکم خود بھی عالم اور علم کا سرپرست
تھا اس نے علما کو فیاضانہ عطیے دیے اور پایہ تخت قرطبہ میں ۲۷
مدرسے قائم کئے جہاں مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ عبد الرحمٰن سوم نے
بھی درسگاہ کی بنیاد قرطبہ کی جامع مسجد میں رکھی تھی حکم کے دور
حکومت میں دنیا بھر کے علمی اداروں میں ایک ممتاز یونیورسٹی
کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ جیسے قاہرہ کی ازہر اور بغداد کے نظامیہ
پر اولیت حاصل تھی۔ جہاں نہ صرف اسپین بلکہ یورپ، افریقہ اور
ایشیا سے مسلمان اور عیسائی طلبہ کشاں کشاں چلے آتے تھے۔ حکم نے
اس یونیورسٹی میں مشرقی ملکوں کے اساتذہ کا تقرر اور ان کی
تنخواہوں کیلئے اوقاف کا انتظام کیا تھا۔ یونیورسٹی کے علاوہ مسجد جامع
میں ایک بہترین کتب خانہ بھی تھا۔ حکم کتابوں کا بڑا عاشق تھا
اس کے نمائندوں نے اسکندریہ، دمشق اور بغداد کے کتب خانے
کھنگال ڈالے اس طرح جو ذخیرہ فراہم ہوا وہ چار لاکھ کتابوں پر
مشتمل تھا جن کی فہرست چوالیس جلدوں میں مرتب ہوئی اسلئے
مشہور ڈچ محقق ڈوزی (Dutch Scholar Dozy) نے
یہاں تک کہہ دیا "اسپین کا ہر باشندہ پڑھا لکھا تھا"
(Nearly every one could read and write)
اور یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب کہ یورپ نے علم کی ابجد ہی
کی حد تک اکتفا کر رکھا تھا جو زیادہ تر اہل کلیسا تک محدود تھی۔ لے

قرن اول میں مسلمان جتنے زیادہ دینی تعلیم و بصیرت اور
دینی کردار کے حامل تھے اتنے ہی وہ مسائل دنیا کو سمجھنے کی لیاقت
اور انہیں حل کرنے کا ڈھنگ جانتے تھے اور نماز بھی پڑھتے روزہ
بھی رکھتے زکوٰۃ بھی دیتے غرض کہ اسلام کے تمام فرائض
انجام دیتے تھے۔

لٰہ History of the Arabs — P.K. Hitti (London 1958) Page 306-307
لے History of the Arabs - P.K. Hitti (London 1958) P. 530-531

سید راشد علی عابدی

کھلی آنکھوں کا کرب

اور ایک دن یوں ہوا کہ شیطانی دیوتاؤں نے انسانوں سے اپنا انتقام لینے کی ٹھانی ——— اور دلوں میں نفرت و عداوت کا کھولتا ہوا لاوا ابل نکلا۔

رات بھر بستی میں پتھریلی آندھیاں چلتی رہیں۔

آگ اور خون کے دیوتا اپنی دوستی کا جشن منانے پھرے ——— سرمئی دھند اور سرخ ذرات نے ہر چیز کو ڈھانپ لیا۔

دیوتاؤں کے اشارے پر خنجر بدست روحیں کمر کس کر میدان میں اتر آئیں

رات بھر گردنوں پر خنجر چلتے رہے اور بدروحیں انسانی خون سے اپنی پیاس بجھاتی رہیں ——— عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی دلدوز چیخیں اور ماؤں کی کرب انگیز آہیں اور سسکیاں کبھی کبھی زندگی کا احساس دلاجاتیں اور پھر چاروں طرف موت کا سناٹا چھا جاتا ——— موت کا فرشتہ بڑی خاموشی اور چابکدستی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔

اس نے سوتے سوتے گھٹن محسوس کی تو باہر نکل کر بھاگا ——— خوف و دہشت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں ——— گلیوں میں جابجا انسانی لاشے کٹی ہوئی فصل کی طرح ڈھیر تھے۔

شیطانی دیوتا اپنے خنجر نما نوکیلے دانتوں سے پرند و چرند کو زمین سنگار کر رہے تھے ——— ان کی گنتی تھی

سسکیاں، دبی دبی آہیں اور رخساروں پر پھیلتے ہوئے آنسو ان کی جنسی اشتہا کو ہوا دے رہے تھے۔

فضا میں چاروں طرف کچے جلے ہوئے گوشت کی بو پھیلی ہوئی تھی ———

کلیوں اور پھولوں کے بدن لہولہان ہو گئے ———

دامن کوہ کے جفاکش باشندے دربدر ہوئے۔

چاند سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اور وہ فرط حیا سے بادلوں کی چلمن میں روپوش ہو گیا ——— دریا جو مچل کر بہتے تھے پیڑ اور پہاڑوں کے جوڑ سے چھلکتے سینے شدت غیظ سے خشک ہو گئے۔

شیطانی روحوں نے اس کے سامنے اپنے دیوہیکل قدموں سے اس کے پھول سے بچے کو روند ڈالا ——— اور پھر سینے میں خنجر گھونپ کر ٹھنڈا کر دیا۔

وہ اس آگ اور خون کے سمندر سے کیسے بچ نکلا ———؟؟
اس معجزہ غیبی پر غور کرنے کا اسے ہوش ہی کہاں تھا ———؟؟
اس کے کندھے پر پڑا ہوا اس کے بچے کا لاشہ اس کے ذہنی کرب اور اس کی جنونی کیفیت کا گواہ تھا ——— جیسے وہ مردہ بچہ کو بھی بچانے کی فکر میں سرگرداں تھا ——— جیسے کہ بندریا اپنے مرے ہوئے بچے کو ہفتوں سینے سے لگائے پھرتی ہے۔

وہ انسانوں کی بستی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا ——— صبح سے شام ہو چلی تھی لیکن اسے کوئی پناہ گاہ نہ مل سکی ———

دن کے عالم میں بھی ہر طرف شہر خموشاں کا سا سکوت پایا جاتا تھا جا بجا انسانی لاشیں خزاں رسیدہ پتیوں کی طرح بکھری پڑی تھیں اور ان کے درمیان گِدھ کتے اور لاشوں کو بھنبھوڑتے ہوئے گِدھ اسے پاگل کئے دے رہے تھے۔

جیسے جیسے شام کے پراسرار سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے اسکی پیشانی پر فکر کی لکیریں موٹی موٹی سلوٹوں میں بدلتی جارہی تھیں ——— دھند میں لپٹے ہوئے درخت بھوتوں اور چڑیلوں کے مسکن معلوم ہو رہے تھے ———

دور اُفق میں ڈوبتا ہوا لال لال سورج اسے اپنے معصوم بچے کی لاش کی مانند لگ رہا تھا ——— شاید اسکے سینے میں اندھیروں نے خنجر گھونپ دیا تھا۔

جب اندھیروں نے شفق کی آخری سرخی بھی نگل لی تو رات کے سیاہ اور بھاری پردے کچھ اور دبیز ہو گئے ....

اس نے قابیل کی طرح ایک گڑھا کھودا اور اس میں بہت احتیاط سے اپنے بچے کی لاش دفن کر دی ——— اسے اپنے دل میں کوئی چیز ٹوٹتی سی محسوس ہوئی جسکی کرچیاں روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئیں۔

اس کا جی چاہا ——— کہ وہ بھی اسی گڑھے میں دفن ہو جائے جس میں اس نے ابھی ابھی انسانیت کو، رواداری کو اور الفت و محبت کو دفن کیا ہے ——— اس کے دل میں اک ہوک سی اٹھتی ہے ——— وہ احساسِ کرب سے مجبور ہو کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیتا ہے۔

اس کی ہتھیلیاں خون سے تر تھیں ——— وہ وحشی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے ——— اُسے ایسا لگا کوئی بدروح نے اس کے سینے میں خنجر اتار دیا ہے ——— اور اس کی روح خلاؤں میں اڑ رہی ہے ——— اس کے بے جان جسم پر ایک گدھ پھدکتا ہوا آ بیٹھتا ہے ——— ایک ——— دو ——— تین ——— سب اس کے جسم کو بھنبھوڑ رہے تھا ——— اس کی آنکھیں ابھی تک کھلی ہوئی تھیں ——— اُسے کسی کا انتظار ہے ——— آخر کس کا ——— ؟؟

دور کہیں فضا میں انسانی چیخیں بلند ہوتی رہیں ——— اور گدھ پھدک پھدک کر اس سے دور جا بیٹھتے رہے۔

★★

بقیہ صفحہ: زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی

سے ہوں گے۔ اپنی بدبختی پر ماتم کر رہے ہوں گے۔ وہ نامۂ اعمال پر اظہار حیرت کر رہے ہوں گے کیوں اس میں ہر چھوٹا بڑا گناہ درج ہو گا جو کچھ بھی اس دنیا میں کیا ہو گا۔ موجود پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ وہ عدل و انصاف سے کام لیگا۔ اس روز کسی پر بھی ظلم نہیں فرمائے گا جہاں عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ نیک عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ وہیں عدل کا یہ تقاضا بھی ہے کہ ظالم کو پوری پوری سزا دی جائے۔ بدکار کو جہنم رسید کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس دن عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے کریگا۔ اور کسی پر کچھ ظلم و زیادتی نہیں کریگا۔

مندرجہ بالا آیات سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ زندگی، مال اور اولاد بھروسہ کے لائق چیز ہی نہیں ہیں۔ ان پر نہ تو اعتماد کرنا چاہیئے اور نہ ہی ناز و گھمنڈ۔ توجہ اعمالِ صالحہ کی طرف ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ آخرت کی زندگی میں کام آنے والی چیز یہی ہے۔ اس پر بھی یقین ہونا چاہیئے۔ کہ یہ دنیا کا نظام درہم برہم ہو گا۔ قیامت کا آنا قطعی ہے سبھی لوگ اٹھائے جائیں گے۔ ہر ایک کو اس کا نامہ اعمال ملے گا جو کچھ اس زندگی میں کیا ہو گا۔ سب اس میں درج ہو گا۔ اسی کے لحاظ سے فیصلہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک انصاف فرمائے گا۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہو گی۔ اگر ہم اپنا بھلا چاہتے ہیں ——— اور کون ہے جو اپنا بھلا نہیں چاہتا ہو ——— تو اپنے پر نظر رکھیں اور کوئی عمل بھی ایسا صادر نہ ہونے دیں۔ جس کی وجہ سے کل ذلیل و رسوا ہونا پڑے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانیوں سے بچائے۔ اور اپنی پسندیدہ راہ پر چلائے۔ آمین۔

صدر ایس آئی ایم فلاح یونٹ

ہندوستان کا بیروت ـــ آسام

حادثہ خونچکاں کی روداد ـــ قرارداد

اس وقت ہمارا وطن عزیز ایک عظیم سیاسی بحران سے دوچار ہے۔ پورے ملک میں اضطراب و تشویش کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ نئے سال کی آمد ہندوستان کی مسلم اقلیت کے ہزاروں افراد کی جانی و مالی قربانی کا تحفہ پیش کر گئی۔ یوں تو ہندوستان کی مسلم اقلیت آزادی ملک کے بعد سے وقتاً فوقتاً ایسے حالات سے دوچار رہی ہے لیکن آسام کے حالیہ انتخابات کے وقت اکثریتی فرقے نے جس ظلم و بربریت کا ثبوت دیا وہ شاید ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔ آسام میں ایک موج خون تھی جو مسلمانوں کے سر سے گزر گئی۔ کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔ اور لاشوں کے انبار لگ جانے کا محاورہ ایک حقیقت بن گیا۔ آسام میں غیر ملکیوں کے انخلاء کیلئے چلنے والی تین سالہ تحریک کا حکومت نے بڑی خوبصورتی سے رخ موڑ کر اسے فرقہ واریت کا رنگ دے دیا۔ اور حکومت مسلم اقلیت کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنے مفادات تحفظ کرنے اور اپنے اقتدار کی بقاء واستحکام میں کامیاب ہو گئی۔ اگر آسام کو دوسرا بیروت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اور بیروت کے صابرہ اور شتیلا کیمپوں میں جو قتل عام ہوا تھا ایک عام اندازے مطابق وہاں مقتولین کی تعداد چودہ سو تھی۔ لیکن آسام میں جو قتل عام ہوا اس نے ہٹلر و چنگیز کی روحوں کو شرمندہ کر دیا۔ آسام میں جس طرح مکانوں کو نذر آتش کیا گیا صابرہ اور شتیلا کے کیمپ بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ آسام میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیلات بڑی لرزہ خیز ہیں۔ غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کے مطابق پندرہ ہزار قبائلیوں نے مسلم اقلیت کے گاؤں پر حملہ کیا۔ اور مظلومین کو بھاگنے اور جان بچانے تک کا موقع نہ مل سکا۔ مقتولین میں نوجوان اور مرد ہی نہ تھے بلکہ بوڑھے بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ اس شرمناک حادثہ نے ملک کے سنجیدہ اور ذہین طبقہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ ایس آئی ایم فلاح یونٹ نے یوم آسام مناتے ہوئے طلبہ و اساتذہ کی ایک کثیر تعداد کے سامنے یہ قرارداد پیش کی جو متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔

(۱) ہم ہندوستان کے ذہین، سنجیدہ اور انصاف پسند لوگوں سے جن کے ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوئے ہیں جن کے دلوں میں ابھی انسانیت کا احترام باقی ہے جو انسانیت کا درد محسوس کرتے ہیں جو حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کا دل گردہ رکھتے ہیں، ہم ان سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ تہذیبی قومی علاقائی اور لسانی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر خالص انسانی قدروں کے ناطے آسام میں ہونے والے ظلم و استبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔

(۲) آسام میں جس مجرمانہ غفلت سے کام لیا گیا اور جس طرح جمہوریت کا خون کیا گیا۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ آسام میں تحقیقاتی کمیشن مقرر کرے۔ اور مجرموں کو سخت سے سخت سزا دے۔ خواہ اس کی زد حکومت وقت ہی پر کیوں نہ پڑے۔ تاکہ عدلیہ کا وقار مجروح نہ ہو۔

(۳) ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آسام میں اپوزیشن

نے جو گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ اس کا سخت نوٹس لیا جائے۔ حقائق سے چشم پوشی کسی قوم کے لئے مہلک کی حیثیت رکھتی ہے۔ تو دوسری طرف اپوزیشن سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں مثبت رول ادا اور مخالفت برائے مخالفت پیدا کرنے کے بجائے مثبت اور تعمیری اقدام کریں اور ہر واقعہ کو برسر اقتدار طبقہ کے خلاف انتخابی حربہ بنانے کی کوشش نہ کریں۔

(۴) ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آسام میں شہید ہونے والوں کے خاندان کی سرپرستی کرے۔ اور ان کے مالی نقصانات کی تلافی کے لئے ہر ممکنہ اقدام کرے۔

(۵) ملک کی سیاسی فضا میں پائی جانے والی غیر یقینی صورت حال پر قابو پانے کی کوشش کی جائے اور ملک کو تہذیبی، قومی، علاقائی اور لسانی عصبیتوں سے پاک کرنے کی منصوبہ بند جدوجہد کی جائے۔

ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہندوستان کی مسلم جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ ہم کب تک قربانی کا بکرا بنتے رہیں گے ہمیں فسادات کو روکنے کیلئے کسی سنجیدہ اقدام کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے ہمارے رہنماؤں ہی کو نہیں۔ ہم سب کو سوچنا ہوگا۔ یہ ننگا دور آخر کب تک چلتا رہے گا۔ آخر کب تک ہم جانے انجانے کھلاڑیوں کے ہاتھوں شطرنج کے مہروں کی طرح پٹتے رہیں گے

ہم مسلمانوں کی سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے وقتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر گروہی، ملکی، جماعتی اختلافات سے بلند ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔ اور اس صورت حال سے آشنا ہونے کے لئے کوئی جامع منصوبہ اور مفصل خاکہ بنائیں اور اس کے مطابق جدوجہد کریں۔

ہم اسلام اور انسانیت کے ناطے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ان مظلوموں کے آنسو پونچھنے اور ان کی ہر ممکن امداد کیجئے۔

بقیہ تعلیم اور مسلمان:

بھی ادا کرتے اور علوم و فنون میں بھی مہارت حاصل کرتے تھے — یہ اس لیاقت و صلاحیت کا نتیجہ تھا کہ بہت ہی مختصر مدت میں متمدن دنیا کے بڑے حصہ پر چھا گئے اور ایک ایسی آئیڈیل اسٹیٹ قائم کر سکے جو جاہلیت و مظاہر پرستی ہی نہیں مسائل کے حل اور علمی و ثقافتی اور کارناموں میں بھی اپنی مثال آپ تھی — ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام وہ مذہب نہیں، جو یہ کہتا ہے کہ دنیا کے کام آپ جس طرح چاہیں چلاتے رہیں اور بس اس کے ساتھ چند عقائد اور عبادات کا ضمیمہ لگائے رہیں۔ اسلام زندگی کا محض ایک ضمیمہ نہیں ہے نہ کبھی ماضی میں تھا اور نہ آج ہے وہ تو پوری زندگی میں آپ کا رہنما اور پوری زندگی کیلئے آپ کا طریق عمل دینا چاہتا ہے۔ وہ دنیا سے الگ محض عالم بالا کی باتیں نہیں کرتا بلکہ پوری دنیا کے مسئلے کی بحث کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ آپ فلسفہ پڑھیں تو دینی نقطہ نظر سے پڑھیں تاکہ آپ ایک مسلمان فلاسفر بن سکیں، آپ تاریخ پڑھیں تو ایک مسلمان کے نقطہ نگاہ سے پڑھیں تاکہ آپ ایک مسلمان مورخ بن سکیں آپ سائنس پڑھیں تو ایک مسلم سائنٹسٹ بن کر اٹھیں۔ آپ معاشیات پڑھیں تو اس قابل بنیں کہ اپنے ملک کے پورے معاشی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں آپ سیاست پڑھیں تو اس لائق بنیں کہ آپ اپنے ملک کا نظام حکومت اسلام کے اصولوں پر چلا سکیں۔ آپ قانون پڑھیں تو اسلام کے معیار عدل و انصاف پر معاملات کے فیصلے کرنے کے لائق ہوں اس طرح اسلام دنیا اور دین کی تفریق کو مٹا کر پوری کی پوری تعلیم کو دینی بنا دینا چاہتا ہے۔

یہ ہماری تاریخ کا تابناک پہلو تھا لیکن آج مسلمانوں نے اپنے آباء کے علمی کارنامے کو گنوا دیا بقول علامہ اقبال

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی؛
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا!
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی!
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ۔

سوز و ساز

غزل

ابوالمجاہد زاہد

کفر و الحاد پہ انسان فدا آج بھی ہے
شعلہ گوں مشرق و مغرب کی فضا آج بھی ہے

وا درِ میکدۂ صدق و صفا آج بھی ہے
تیرے ہر درد کی ہر دکھ کی دوا آج بھی ہے

ابھی شعبدہ گر جا بھی چکے ہیں لیکن
اپنے گلزار کی مسموم ہوا آج بھی ہے

اب مسلمان ہی کچھ بھول گئے فرض اپنا
ورنہ اے دوست! جو کل تھا وہ خدا آج بھی ہے

تو نے جس کے لئے دامانِ خدا چھوڑ دیا
وہی دنیا ترے جینے سے خفا آج بھی ہے

ایک قرآن — کہ جو اب بھی ملجائے حیات
ایک اسلام — کہ جو راہ نما آج بھی ہے

کتنے بوجہل ہیں اے دوست رسالت پیکر
کتنی شاموں پہ سویرے کی ردا آج بھی ہے

دیکھئے کون "خلیل" آگ کو گلزار کرے
دہر میں فتنۂ نمرود بپا آج بھی ہے

زاہد — اللہ ہے فریاد رس و بندہ نواز
کل بھی تھا اور وہی عقدہ کشا آج بھی ہے

غزل

شفیق طاہری

خورشید جب لہو کے بھنور میں اتر گیا
ایسا لگا کہ جیسے کوئی شخص مر گیا

گرداب مجھ پہ ٹوٹ پڑے سچ کے جرم میں
اک شخص جھوٹ بول کے دریا اتر گیا

انصاف کی سزا تو اک اعزاز تھی مگر
وہ میری فردِ جرم سے انکار کر گیا

جب بھی فرازِ دار پہ کچھ روشنی ہوئی
محسوس یہ ہوا کہ کوئی ہم سفر گیا

الفاظ سے صدا کی صفت کس نے چھین لی
اس رہزنی کی کھوج میں دربدر گیا

پتھرا گئیں ہیں در پہ نگاہیں لگی ہوئی
یہ سج کے کون شہرِ وفا سے گزر گیا

احسان کر کے اس نے جتا بھی دیا شفیق
کتنی بلندیوں سے تہوں میں اتر گیا

حلقۂ یاراں

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہم آپ کے مشوروں کے منتظر ہیں۔ اس کالم کے تحت ملک و ملت پر مختصر تبصرہ بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

آستین کے سانپ

مکرمی و محترمی ایڈیٹر صاحب!

تسلیمات

ماہ فروری کا شمارہ گرچہ کافی تاخیر سے لیکن اداریہ پڑھکر آپ کی حق گوئی و بے باکی سے دل اتنا خوش ہوا کہ سارے گلے شکوے رفع ہو گئے آپ نے جشن جمہوریت کے موضوع کو لیکر حکومت پر جو بے باکانہ تنقید کی ہے وہ صرف آپ کے قلم کا حصہ ہے۔

میں ایک عرصے سے حیات نو مطالعہ کر رہا ہوں لیکن جب سے اس کا اجرا عمل میں آیا ہے اس کا نظم ڈھیلا ڈھالا چل رہا تھا خدا کا شکر ہے کہ آپ نے واقعتاً حیات نو کو حیات نو عطا کردی میں اس بات کا ہرگز قائل نہیں کہ کسی کی بے جا تعریف کی جائے لیکن حیات نو میں آپ کی تحریریں پڑھکر بے ساختہ آپ کے حق میں کلمۂ خیر نکلتا ہے۔ ابھی میرا خط پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مارچ کا شمارہ موصول ہوا اب اسے کیا کہوں کہ آپ نے آسام میں قتل عام، منظر اور پس منظر کے موضوع پر آپ نے حکومت، اپوزیشن اور ہندوستانی عوام کی فرقہ وارانہ ذہنیت کی جو دھجیاں بکھیری ہیں اس پر آپ قابل مبارکباد ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے ملک و ملت بچاؤ تحریک پر کچھ بھی اظہار خیال نہیں کیا جو وقت کا ایک اہم ترین موضوع تھا۔

یوں تو آزادی کے بعد ہی سے ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے قلب و جگر پر تیر و نشتر آزمائے جاتے رہے ہیں، ہندوستان مسلمانوں کا مقتل بن کر رہ گیا ہے۔ آن واحد میں ہنستے مسکراتے پھولوں کے شہر لہو کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں اور حکومت اپنی جمہوریت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے تحقیقاتی کمیشن بٹھا دیتی ہے لیکن آج تک اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹوں کی موجودگی میں حکومت کا کوئی واضح اقدام سامنے نہیں آیا لیکن آزادی کے بعد سے ہندوستان کے نام نہاد مسلم لیڈران نے بھی ملت کو کچھ کم نقصان نہیں پہونچایا بلکہ اگر حقیقت بیں نگاہوں سے دیکھا جائے غیروں کے مقابلے یہ آستین کے سانپ ملت کے حق میں زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئے ہیں یہ ایک امر واقعہ ہے کہ یہ دوست نما دشمن اپنی بے حسی، بے غیرتی اور ذاتی مفادات کی خاطر ہر وقت ملت کو قربان کر دینے پر تیار رہتے ہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک و ملت بچاؤ تحریک بھی اسی کی ایک کڑی ہے جس

بقیہ صفحہ پر ۴۴

محمد صبیح اختر کے قلم سے

جامعہ کے لیل و نہار

ایس، آئی، ایم۔ فلاح یونٹ کا تربیتی کیمپ:

۱۰ر مارچ کو بعد نماز ظہر فلاح یونٹ سے متعلق ممبر وانصار پر مشتمل قافلہ سخت جان جامعہ سے چاندپٹی کیلئے روانہ ہوا اور چاندپٹی سے ایک کلومیٹر دور اس سبز و شاداب قطعۂ زمین ہمارا خیمہ نصب ہوا جس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی

یوں تو اس تربیتی کیمپ کے تمام ہی پروگرام بہت ہی سودمند اور مفید ثابت ہوئے مگر مقالے اور مذاکرہ کا پروگرام بہت زیادہ کامیاب رہا۔ رات کو تقریباً نو بجے برادر راشد [illegible] نے "مذہب وسائنس" کے موضوع پر اپنا مبسوط اور معلومات افزا مقالہ پیش کیا موصوف نے کائنات کے متعلق تمام ہی نظریات بالخصوص موجودہ زمانے کے نظریات قانون تجاذب، علم حرکت نظر اضافیت اور کوانٹم وغیرہ کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آج تک انسان نے علم و سائنس کی روشنی میں کائنات کے متعلق کوئی ایسا نظریہ پیش نہ کر سکا جسے بقا اور دوام حاصل ہو۔ اور پھر انکار خدا اور مذہب کے اسباب بتاتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ مذہب اور سائنس میں کوئی ٹکراؤ یا بعد نہیں ہے بلکہ خدا پر ایمان و یقین کے بغیر انسان تحقیق میدان میں دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ موصوف کے مقالے کا نچوڑ یہ تھا کہ دنیا تیزی سے خدا اور مذہب کی طرف پلٹ رہی ہے۔ الحاد و دہریت، خدا بیزاری اور مذہب دشمنی کی فضا ختم ہوتی جا رہی ہے۔ مقالہ کے اختتام پر سوال و جواب کی نشست رکھی گئی تاکہ اس مقالہ پر اٹھنے والے سوالات کو حل کیا جا سکے۔

تربیتی کیمپ کے دوسرے دن اجتماعی مطالعہ کے بعد "کیا ملک وملت کو صالح قیادت کی ضرورت ہے" کے موضوع پر مذاکرہ کا پروگرام شروع ہوا اس میں شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد ویسے تو بہت تھی لیکن وقت کی قلت کی بنا مجاہد الاسلام، محمد صبیح اختر، محمد اعظم، محمد حسین نیپالی، امین کشمیری وغیرہ ہی حصہ لے سکے بلکہ اس موضوع کے بہت سے گوشے سامنے آئے اور جس سے ہمیں اور ان ننھے دلوں میں بھی اس امر کا احساس ہے کہ واقعی آج ملک وملت کو صالح قیادت کی ضرورت ہے اور کمزور و ناتواں ہوتے بھی ہیں اس کو بدلنے کا عزم رکھتے ہیں

جمعیۃ الطلبہ کی سرگرمیاں

تعلیمی سال کے ختم ہونے میں صرف چند دن ہی باقی رہ گئے ہیں یوں تو اس سال جمعیۃ الطلبہ کے داران اور عہدہ برادران نے آغاز سال ہی سے کافی ذوق و شوق

لگن اور کامل احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی تمام ہی شعبہ جات کے ذمہ داران نے اپنی سرگرمیوں کا بھرپور مظاہرہ کیا لیکن ہفتہ عشرہ قبل جمعیتہ کی جو سرگرمیاں منظر عام پر آئیں اس سے ان کے احساس ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے جمعیتہ کی جانب سے جامعہ میں کھیلے جانے والے تمام ہی کھیلوں کے انعامی مقابلے کرائے گئے جن میں ہاکی اور فٹ بال کا مقابلہ کافی دلچسپ رہا۔

آج کل انگریزی اردو اور عربی کے سالانہ انعامی تحریری اور تقریری مقابلوں کا سلسلہ چل رہا ہے جس میں طلباء بہت ہی شوق و دلچسپی کا مظاہرہ کر رہے ہیں

سالانہ امتحان کی تیاریاں

۱۲ مئی سے ہمارا سالانہ امتحان شروع ہوگا تمام ہی طلبہ امتحان کی تیاریوں میں مشغول ہیں اور کھیل کود اور دوسرے تفریحی پروگرام سے منہ موڑ کر اپنا بیشتر وقت تعلیم میں لگا رہے ہیں۔ مسجد کا وسیع و عریض صحن رات دن طلبہ کے ہجوم سے بھرا رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سال نتائج گذشتہ سالوں سے زیادہ شاندار ہوں گے۔

انجمن کی مجلس شوریٰ کا اجلاس۔

۱۲ [redacted] اپریل سے انجمن طلبہ قدیم کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس شروع ہو رہا ہے اکثر شرکاء کی شرکت کی اطلاع مل چکی ہے۔ اس اجلاس میں حیات نو کے لیے مستقل ایڈیٹر کے مسئلہ پر غور کیا جائے گا اور انجمن کی [redacted] سابقہ سرگرمیوں کا جائزہ لیکر آئندہ سال کے منصوبے اور پالیسیاں بنائی جائیں گی خدا اس اجلاس کو بحسن و خوبی اختتام تک پہونچائے اور جو فیصلے طے ہوں وہ انجمن کے حق میں مفید ثابت ہوں

آمین

بقیہ حلقۂ یاراں

پالیسی جمعیتہ العلماء ہند نے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالنے کے لیے تیار کی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ملت کی اکثریت اس دام ہمرنگ زمین میں گرفتار نہ ہوئی اور وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ حکومت کے ایک اشارے پر یہ تحریک اپنی موت آپ مر گئی لیکن ساتھ ہی ساتھ جگ ہنسائی کا ایک موقع فراہم کر گئی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جن کی قلعی کھل چکی ہے ملت کا سنجیدہ اور تعلیم یافتہ طبقہ ان کے خلاف کوئی اقدام کیوں نہیں کرتا کیا یہ یونہی ملت کا سودا کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو اپنی دوستی نما صورتوں سے دھوکہ دیتے رہیں گے آپ سے امید ہے کہ آپ اس کے خلاف ضرور کوئی تجویز پیش کریں گے۔ خدا آپ کے قلم میں تلوار کی سی کاٹ پیدا کر دے امید ہے کہ بعافیت ہوں گے تمام احباب کو سلام مسنون۔

فقط

والسلام

محمد اسعد اعظمی

محمد نصر اللہ خاں عزیز مرحوم

دعوت

حق کی کشتی

رواں ہے......

دعوتِ حق کی کشتی رواں ہے ساتھیو آؤ ہاتھ بٹاؤ
موجیں برہم دور کنارا چپّو تھامو زور لگاؤ

حق کے پجاری تھوڑے تھوڑے طوفانوں سے لڑنے والے
کفر کا ساتھی ایک زمانہ بہتا ہے موجوں کی بہاؤ

چڑھتے سورج کو کیوں پوجو، ڈوبنے والا ہے وہ آخر
جس سے ارض و سما ہیں روشن اس کے آگے سر کو جھکاؤ

اُن کی محبت جانِ تمنا، اُن کا تصور جانِ محبت
ذکرِ محبت اُن کا چھیڑو، بزمِ تصورِ اُن کی سجاؤ

راگ ازل میں تم نے جو گایا حق نے تمہیں جو گیت سنایا
دنیا اس کو بھول رہی ہے دنیا کو وہ یاد دلاؤ

اس دنیا کی ریت نرالی منہ کی مومن دل کی باغی
قول و عمل کو ایک بنا کر دنیا کی یہ ریت مٹاؤ

عیش و تجمل کے یہ مشاغل ان کی عزیز بساط ہی کیا ہے
خدمتِ حق کا عیش دوامی جان کی بازی اس پہ لگاؤ